

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ

عربوں کی گزشتہ تجارت

اور
انگلستان کی صنعت و حرفت



ایک نقشہ کے کہ جس میں وہ کل مقامات دکھلائے گئے ہیں کہ جہاں جہاں عربوں کی
تجارت اور پزیر و حکومت ایک عرصہ تک قائم رہی ہے اور نیز ایک ضمیمہ کے کہ
جس میں اسپین کی چند نامور اسلامی عمارتوں کا تفصیلی حال چھپی سے لکھا گیا ہے

از

محبت احمد عثمانی

سنہ ۱۲۹۸ھ

طبع اعجاز محمدی اگرہ طبع ہوا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ

عربوں کی گزشتہ تجارت

اور
انگلستان کی صنعت و حرفت

CHECKED 1981

کا
تیار بنی حال

مع
ایک نقشہ کے کہ حسین وہ کل مقامات دکھلائے گئے ہیں کہ جہاں جہاں عربوں کی
تجارت اور پرزور حکومت ایک عرصہ تک قائم رہی ہے اور نیز ایک ضمیمہ کے کہ
حسین اسپن کی چند نامور اسلامی عمارتوں کا تفصیلی حال وچسپی سے لکھا گیا ہے

از
محبت احمد عثمانی

۱۹۳۶ء

مطبع اعجاز محمدی اگرہ مدینہ ہوا

ط ط دیکھیں

مین عالیجناب حسن بن عبد اللہ صاحب المخطب بہ نواب عماد نواز جنگ
بہادر کی اُس کمال قدردانی اور غایت مہربانی کا تہ دل سے شکریہ
ادا کر کے کہ جس سے صاحب ممدوح نے اس ناپذیر کتاب کو اپنے نام
نامی سے منسوب و فرزین کرنا پسند فرما کر میری عزت افزائی فرمائی ہے
اس کتاب کو بآداب تمام صاحب موصوف الصفت کے اسم گرامی کے
ساتھ منسوب کرتا ہوں۔

خاکسار

مجیب احمد تنائی

۲۰ ستمبر ۱۹۲۳ء



آج کل قومی عروج اور قومی اقبال کی عزاداری میں جا بجا مجلسیں برپا ہیں۔ اور ان مجلسوں میں تین قسم کے لوگ نظر آتے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں کہ جنکے دلوں میں ایک طرح کی خلش ہے مجلس عوامین کو گوارا نہ صورت بنائے دم بخود بیٹھے ہیں۔ آنکھوں میں ہار آنسو ڈبڈباتے ہیں۔ اور لبوں پر سرداہین جاری ہیں۔ لیکن منہ سے کچھ نہیں پڑتے۔ دوسرے لوگ وہ ہیں کہ فرط غم سے پچھلے ہو کر فوری جوش کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور نہایت دردناک آواز سے قومی مثنوی اور قومی پرچہ پڑھ کر خود بھی روتے ہیں اور دوسرے کو بھی رلاتے ہیں۔ تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں کہ مجلس عوامین شریک ضرور ہیں لیکن نہایت سنگدل ہیں۔ تلب میں بالکل حرات باقی نہیں رہی ہے۔ مثنوی اور سوز مثل ناو لون یا غزلون کے شوق کے ساتھ سنتے ہیں اور آفرینش مضمون کی داد بھی دیتے جلاتے ہیں لیکن جسکو اثر کہتے ہیں وہ اُنکے دل پر ذرا نہیں ہوتا۔ بلکہ بخلاف تاثر نہیں دے کے وہ مثنوی خوانوں کے رونے اور

رہا ہے پراس زور سے قہقہہ لگاتے ہیں کہ خود ان کی حمیت شرم کے واسطے پسینہ ہو جاتی ہے اور او کو خبر تک بھی نہیں ہوتی۔

مرثیہ خوانوں کی سحر بیانی بعض دفعہ تو اعجاز کا کام کر جاتی ہے اور بعض دفعہ بانگ لے ہنگام کی طرح گونج کر رہ جاتی ہے۔ قومی مرثیہ خوانوں کا مقصد مرثیہ خوانی سے یہ ہوتا ہے کہ قوم کی اگلی باتیں یاد دلا کر لوگوں کے دلوں کو گرمائیں اور ان کو اپنی حالت زار سنبھالنے پر آمادہ و تیار کریں۔

اگر تعلیم کے بعد تجارت اور صنعت و حرفت ہی ایسی چیزیں ہیں کہ جو قومی فلاح و بہبود کا ذریعہ تسلیم کی گئی ہیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ تعلیم کی ترغیب و تحریص کے علاوہ قوم کو کبھی تجارت اور صنعت و حرفت کی طرف توجہ نہیں کیا جاتا۔

گو میرا شامہ مجلس عوامین مرثیہ خوانوں کی مبارک فہرست میں نہ لیکن مقام شکر ہے کہ میں اپنے تئیں ان لوگوں میں ضرور شریک پاتا ہوں کہ جنکے دل تو متاثر ہوتے ہیں مگر زبان سے کچھ بولنا نہیں جانتے۔ اب میں نے اس قسم کے لوگوں سے ٹھکر ڈرتے ڈرتے قومی مرثیہ خوانوں کے مبارک گروہ میں شریک ہونے کی نیت کی ہے اور چونکہ میرے نزدیک تجارت اور صنعت و حرفت بھی قومی بھبود کا ایک اعلیٰ ذریعہ ہے۔ اسلئے انھیں دونوں مضامین پر طبع آزمائی کر کے میں نے قومی مرثیہ خوان بننے کی نیت کو پورا کیا ہے۔

اگرچہ مضامین اس سے قبل مختلف اوقات میں یکے بعد دیگرے رسالہ حسن کے

قیمتی اور قابل قدر خون میں شایع ہونے کی عزت حاصل کر چکے تھے لیکن اب میں قوم کی عام اطلاع اور بعض احباب کی تعمیل ارشاد کی غرض سے باضافہ چیز مفید اور دلچسپ حواشی ان دونوں مضامین کو ایک جداگانہ رسالہ کی صورت میں بھی ملک کے سامنے پیش کرنے کی عزت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

قوم کو اسکی گذشتہ تجارت کا دردناک مرثیہ اور انگلستان کہ جو فی زمانہ ترقی علم و فضل اور دولت و ثروت میں شہرہ آفاق ہے اسکی صنعت و حرفت کی حیرت انگیز ترقی و داستان مٹانے سے میرا دلی مقصد یہ ہے کہ قوم کے دل میں تجارت اور صنعت و حرفت کی ترغیب و تحریک پیدا ہو فقط۔

خاکسار

مجیب احمد تمنائی۔

۲۰ ستمبر ۱۸۹۲ء



عربوں کی گزشتہ تجارت



تاریخ تجارت میں روم کبیر کی تباہی سے بڑھ کر مغربی ایشیا پر یونانی فتح کا زمانہ بھی ایک بڑے منہر کے کا زمانہ شمار ہوتا ہے۔ ان پر قوم کا اطلاق اسوقت سے ہونے لگا کہ جبکہ ان لوگوں نے دائرہ اسلام میں آکر قدم رکھا اور رفتہ رفتہ مذہبی جوش سے بے نیاز ہو کر وہ از سندھ تا پارسیز فتح و نصرت کا ڈنکا بجاتے چلے گئے ہیں۔ اور تجارت و صنعت کو خدا و رسول کی خوشنودی کا ذریعہ سمجھ کر انہوں نے فروغ دیا ہے۔

اگلی تاریخیں عربوں کی تجارت کے حیرت افزا حالات سے ہماری پیڑی ہیں۔ وہ مدین ہی کے تاجروں کا قافلہ تھا کہ بنے مصر کو جاتے ہوئے راستے میں حضرت یوسفؑ کو اُنکے ناہربان اور سنگدل بہائیوں سے خرید کیا تھا اہل یہود نے جسوقت مدین پر غارتگری کی ہے تو اُنکے ہاتھ وہاں کے تاجروں کے مال و اسباب میں سے بیشمار زر و جواہر سونے کے عمدہ عمدہ زیورات اور اونٹوں کی گردن میں ڈالنے کے طلائی حلقے آئے تھے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہاں کی تجارت کس قدر بڑھ رہی ہوئی تھی۔ حضرت خرقیلؑ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ افسنیا سے عدم یا عسہ کا تجارتی تعلق

۱۱۱ حضرت یسح سے چھ سو بیس قبل ایک پیغمبر اس نام کے گئے ہیں ۱۲
۱۳ ساحل شام کے ایک قطع زمین کا نام ہے کہ جو طول میں ایک سو پچاس اور عرض میں چوبیس میل کے قریب ہے ۱۴

اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ میان سے نیلم۔ زمر و دوسرے قیمتی احجار۔ اور کڑی ہوئی چیرین معاوضہ میں بیچ کر وہاں کی تجارتی جنس منگانی جاتی تھی۔

ملک عرب کے لٹیرے مصر کی سلطنت کو تاخت و تاراج کر کے کتنی ہی صدیوں تک تھیسس پر سلاطین اور قابض رہے ہیں۔ شہر گرا کہ جو خلیج عمان پر واقع ہے وہ توں تک ہندوستان اور بابل کی تجارت کا ایک درمیانی واسطہ رہا ہے۔ زمانہ حال کے بعض مورخین کا خیال یہ بھی ہے کہ عافروسوٹ ملک عرب ہی میں شامل تھا جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو وہاں سے سونا چاندی۔ صندل اور جواہرات بکثرت حاصل ہوتے تھے۔

زمانہ قدیم میں ہندوستان اور فنیشیا والوں کے درمیان جو تجارتی اغراض سیٹھ و رفت ہوتی تھی وہ بذریعہ قافلہ جنگلوں کی راہ سے ہوتی تھی۔

۱۵ ہیرودوٹس ایک مشہور یونانی مورخ لکھتا ہے کہ صبر اور لوبان تو عرب کے سوا اور کھین دستیاب ہی نہ ہوتا تھا۔ عربی تجارت کو جیسا فرغ اور عروج زمانہ وسطی میں ہوا ہے ایسا

۱۵ ہیرودوٹس۔ ایک نہایت قدیم یونانی مورخ ہے کہ جو حضرت مسیح علیہ السلام سے ۸۴ برس قبل بمقام ہانی کارسس پیدا ہوا تھا یونانی زبان میں اس کی تصنیفات بیشمار ہیں اور تاریخ دانی کے اعتبار سے سیر و نے اسکو ابوالتاریخ کے لقب سے یاد کیا ہے اس کے زمانہ حیات میں جو تاریخی واقعات گزرے ہیں انگوٹھ سے نہایت راستبازی سے بیان کیا ہے۔ لیکن زمانہ نبی اور ملک دور دراز کے واقعات اس نے کچھ اصلاح پر بیان کئے ہیں کہ ان میں اور خیالی داستانوں یا فسانوں میں کچھ تغیر نہیں ہو سکتی۔ جبکہ اس کے ملک پر لگیا ڈس جدا اور ہوا اور اس نے وہاں ہی جہر جو روتم کئے تو اوسوقت ہیرودوٹس خود ترک وطن کر کے کسی دوسری جگہ چلا گیا اور تھوڑے عرصہ کے بعد وہ اپنے وطن کو پھر واپس آیا اور اس ظالم بادشاہ کے پنجوں سے اپنے ملک کو نکالا۔ ۱۲۔

عروج اس سے پہلے اسکو کبھی نہیں نصیب ہوا تھا۔
 سلطنت فارس پر قابض اور سلطہ ہو جانیکے باعث بلحاظ تجارت ہندوستان کے بازاروں
 پر بھی عربوں کو پورا پورا اختیار حاصل ہو گیا تھا۔ اور اس سے بڑھ کر چین سے تو وہ بلا کی
 درمیانی واسطہ ہی کے تجارتی معاملے طے کرنے لگے تھے۔

عربوں نے سواحل افریقہ پر مصر سے رشتہ تجارت برقرار رکھنے کے لئے جا بجا تجارتی مندیان
 قائم کر رکھی تھیں۔ یہاں تک کہ گویا بحیرہ روم کی بحری تجارت تمام کمال عربوں ہی کے ہاتھ
 میں تھی۔

شیوع اسلام کے قبل عرب لوگ مکہ کو مقدس جگہ تو نہیں خیال کرتے تھے مگر اُمّ القریٰ
 کی حیثیت سے اُنکے دلوں میں اسکی عظمت ضرور تھی۔ تعلیم اسلام کے اثر سے جب اونکو
 مکہ کی حرمت اور اسکا تقدس معلوم ہوا تو اُس وقت اُنکے دلوں میں اسکی دو گنی عظمت
 اور وقعت قائم ہو گئی۔ اور قافلے کی پرانی راہوں نے اب پیرائے سرور و رونق حاصل کی۔
 مدینہ۔ کوفہ۔ بصرہ۔ بوسرفا۔ دمشق۔ بغداد۔ موصل اور مدین۔ جو کہ دجلے کی کنارے
 قدیم شہر سیلیٹیا کے محاذی واقع ہے یہ سب چونکہ قافلوں کے پڑاؤ اور روانگی کے مقامات
 تھے اسلئے اونکو شہرت اور متول خوب حاصل ہوا۔ خصوصاً بغداد جو کہ دار الخلافت ہونے
 کے علاوہ قافلوں کی گزرگاہوں کے وسط میں بھی واقع تھا بلحاظ ترقی تجارت اُس نے
 تو بابل کی گزشتہ عظمت و جبروت کو بالکل ہی ہلا دیا تھا۔

عرب۔ روم۔ مصر۔ فارس۔ اور افریقہ کے مغربی سواحل کے مسافران حجاز جو بے شمار

آتے تھے وہ یہیں سے گزر جاتے تھے۔ یہاں اون میں سے بہت سرون کی مقصد
 دینی کے ساتھ دنیوی حاجتیں بھی پوری ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ ایسا ہوتا تھا کہ اکثر تو ان
 میں سے محافلین قافلہ بنا کر اور بعض پیشہ ور حجاج۔ دو تہند گم کرم ہمت یا ضعیف لوگوں کی
 طرف سے نیازتہج کرنے کی غرض سے اخراجات سفر اور کچھ حق خدمت کے طور پر دیکر روانہ
 کئے جاتے تھے۔

عربوں کا قدم جہاں جاتا تھا وہاں تجارت بھی اُنکے ہمراہ ہو جاتی تھی۔ جس کسی ملک یا
 صوبے کو وہ فتح کرتے تھے۔ اس میں اون کی طرف سے حاکم اور قاضی مقرر ہوتے۔ مدارس
 اور مسجدیں تعمیر ہوتیں۔ پختہ ٹرکیں بنتیں اور سب چیزیں خوش اسلوبی کی ساتھ رکھی جاتی تھیں۔
 مکے کے ہر ایک راستے میں جا بجا کنوئیں۔ مسافروں کی شب باشی کے لئے تھوڑے تھوڑے
 فاصلے پر کاروانسراؤں میں موجود تھیں اور ہر کون پر فاصلہ بتلانے کے لئے نشانات نصب تھے۔
 موقع اور محل مناسب پر مسافروں کے لئے تازہ دم گھوڑوں اور اونٹوں کے اڈے قائم
 تھے یہ باتیں میں جو عربوں کی حسن انتظامی پر بڑے زور کے ساتھ شہادت دیتی ہیں۔
 سلطنت عرب کی وسعت اور اس وقت کی وہاں کی طرز حکومت سے جو کچھ فائدہ
 مرتب ہوئے ہیں وہ بھی کچھ کم نہیں ہیں۔

عربوں کی تمام مقبوضات میں خواہ وہ یورپ اور ایشیا میں ہوں یا افریقہ میں زبان عربی
 ہی رائج تھی۔ اور یہی مفتوحات اور مقبوضات عرب کی گویا عام زبان تھی۔
 اس طرح پُرانے شیل یعنی اخلاقی اور ارتباطی حالت میں بہت کچھ نمایاں ترقی پیدا ہوئی۔

شاہزادے اور مالدار و ذمہ دار لوگوں کے صاحبزادے تعلیم و تربیت کی غرض سے دارالعلوم بغداد کے مدارس میں بھیجے جاتے تھے۔ تجارتی لوگ تمام عرب میں بغیر تکلیف و زحمت کاروانسراں میں سفر کر سکتے تھے۔ اور جہاں جاتے تھے وہاں ان کی ہر قسم کی قدر و منزلت اور اوجہ بگت ہوتی تھی۔ عربوں کی تجارت اس قدر پُر زور ہاتھوں میں تھی کہ حریف سلطنتوں کے روکنے سے بھی نہیں روک سکتی تھی۔

عربوں کا طرز معاشرت بھی اقوامِ یورپ کے مقابلے میں نہایت ممتاز تھا جس زمانے میں کہ تہذیبِ جرمن، فرانس، اور برطانیہ کے خاقانہ تھیں، راہبوں میں بھی صرف برائی نام ہی تھی۔ اور ان ممالک کے باشندے علی العموم مغلی اور وحشیانہ حالت میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اوس وقت ممالکِ عرب فضلِ خدا سے بلحاظ مال و دولت، علوم و فنون، صناعی و دستکاری، اور عمارات عالی و عوس سلطنت بنے ہوئے تھے۔

چونکہ عربوں کی شایستگی اور کمال اوج کا زمانہ یورپ والوں کی بدتمیزی اور جہالت کی زمانے کے ساتھ تھا اسلئے اوس وقت جو کچھ اونہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اسکو تودہ تیز تکرار کے اور اب جو تاریخین اُنکے سامنے عربوں کی گذشتہ تہذیب، علوم و فنون، اور دولت و ثروت کا حال بیان کرتی ہیں تودہ اسکو بطور فسانہ اور جوئے ٹھہرے کے سمجھتے ہیں۔

حریف اگر سچے واقعے کو بھی نہ مانیں تو بلا سے نہ مانیں۔ اُنکے نہ ماننے سے واقعہ کی اسی اور وقعت میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ خیر یہ جملہ معترضہ تو اُن یورپین مورخوں کا جواب تھا کہ جو عربوں کے گذشتہ علوم و فنون، ترقی تہذیب لغرض اُنکے تمام کمالات کے منکر ہیں۔

اب ہم اپنے اصل مطلب کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔

عربوں میں جو خلفائے وقت ہوتے تھے وہ عالموں اور اُنکے علوم کی بڑی قدر کرتے تھے چنانچہ انھیں کے اشارے سے یونانی فلاسفہ و فن کی تصنیفات عربی زبان میں ترجمہ ہوئیں اور بڑے ذوق و شوق سے پڑھی جاتی تھیں۔ علم ہیئت اور کیمیا کی کتابیں خود عربی میں تدوین ہو کر یورپ کی دوسری زبانوں میں ترجمے کے ذریعہ سے گئی ہیں۔ طریق شمار اور خصوصاً جبر نقابل عربوں ہی کے دماغ سے پیدا ہو کر یورپ والوں کو تصاب تعلیم میں دخل ہوا ہے ”الجبر“ کا ”الف لام“ چونکہ خود اُسکے عربی الاصل ہونے پر گواہی دیتا ہے اسلئے یورپ والوں نے بھی اقرار کر لیا اور نہ اس قسم کے خصوص میں وہ دوسروں کے زیر بار احسان ہونے کو ذرا کم پسند کرتے ہیں۔

اسپین کو روماء والوں کی زیر حکومت رکھ رہے رونق اور ترقی کبھی نصیب نہیں ہوئی کہ جو مور یعنی عربوں کے ظل عافیت میں نصیب ہوئی ہے۔ چنانچہ عربوں کے دور میں اسپین کی یہ حالت تھی کہ جہاں دیکھو وہاں آباد شہر۔ عالیشان عمارتیں نظر آتی تھیں۔ طریق آبپاشی کچھ ایسا فرخ اور پراثر تھا کہ زمین کے تختے مثل باغوں کے گلزار اور رشک بوستان بنے ہوئے تھے عربی تاجروں کی جانباً زانہ میر و سیاحت کی بدولت جغرافی معلومات میں بھی بہت کچھ ترقی ہوئی۔ تجارت عرب کے قافلے کے قافلے اُدھر تو تاتاری ملک کو پاؤں میں روندتے ہوئے مابین پانک بڑھتے چلے گئے اور ادھر جب قومی میں سرشار اور مذہب اسلام کے والد و شہید بون کا ایک گروہ ہندوستان میں آکر مقیم ہوا کہ جسکی تلقین اور دعوت سے مسیہوں راجہ اور

ہمارا حیرت شرف بہ اسلام ہوئے۔

عربوں کی تجارت جانب شرق اور ڈیڑھی ہیہا تک کہ بڑھتے بڑھتے چین اور مجمع جزائر ہند تک پہنچ گئی۔ جانب غرب عربی تاجروں کے قافلے پہنچنے کا پتہ صرف نانی گز تک چلتا افریقہ کے شرقی سواہل پر عربی تجارت کی وسعت میدا غشتقار (میداکا سکر) تک معلوم ہوئی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ترقی دولت کے ساتھ خلفاء عیش و عشرت کے مملک سمندر میں ڈوب گئے۔ اور اسی کا سیلاب انکی سلطنت کو بہا کر لے گیا۔ عربی سلطنت کا تجارتی فروغ وسعت اور کثرت دونوں اعتبار سے سلطنت ہائے قدیم سے بدرجہا بڑھا ہوا تھا۔ مگر بات یہ ہے کہ جتنی جلد اس میں ترقی ہوئی تھی اتنی ہی جلد اس کو زوال بھی نصیب ہوا۔ عربوں کی حکمت عملی تو یہ رہا کہ جہاں تک ممکن ہوتا تھا تجارتی مقامات تعداد میں بڑھائے جاتے تھے اور اقوام قدیمہ کا دستور یہ تھا کہ وہ چند بڑے بڑے شہر چیکر دنیا کی تمام دولت و ثروت کو انہیں میں جمع کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ تجارت کی بدولت عربوں میں جو عام فراغ البالی اور خوشحالی پھیل گئی تھی اس سے ان کو فلاح اور زیر صنعت و حرفت کے دوسرے شعبوں کی طرف مائل کیا اور جب ان کا وقت آیا تو انہوں نے جس تباہی کی طیف انکی عام توجہ کو مبذول کرادیا۔ دولت مند لوگ خوشنما اور پرفضا یا غن پر نازان نظر آنے لگے۔ اور ادنیٰ وجہ کے لوگ سامان آرائشی بنانے اور مصی کرنے میں ذوق طبع ظاہر کرنے لگے۔ صنعت و دستکاری میں پیشی کپڑے سب سے زیادہ پوچھے جاتے تھے چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ خلیفہ متصرف بالمد کے توشہ خانے میں ایک آرائشی پردے کو خود تھے

کہ جن پر سونیکے تارون کا سوزنی کام کر رہا ہوا تھا۔ یہ پردے کیا تھے گویا چھ خاصے
مرقعے تھے کہ جن پر شاہان سلف۔ خلفاء اور دارالخلافہ کے نامور لوگوں کی تصویریں مصوٰن
کے مشہور کارناموں کے کرہی ہوئی تھیں اور جس خاندان میں سے جو خلیفہ اور بادشاہ
ہوتا تھا اس کا نام تصویر کے نیچے سوزنکاری سے لکھا رہتا تھا۔ آسمانی رنگ کی زمین
کے قالینوں پر تاریخی واقعات کے علاوہ شہروں دریاؤں شڑکوں اور سمندروں کے
نقشے بھی مختلف رنگ کے ریشمی دھاگوں اور سونے چاندی کے تاروں سے کڑھے رہتے
تھے اس قسم کے قالین نہایت قیمتی ہوتے تھے چنانچہ اسی قسم کے ایک قالین کی قیمت
بائیس ہزار دینار بیان کی گئی ہے۔

تجارت سے عربوں کو ایک بڑا نفع بھی پہنچا کہ انہیں سفر اور سیر و سیاحت کا ذوق
پیدا ہو گیا۔ تاجر لوگ اپنے بیٹوں کو قافلے کے ساتھ دور دراز ممالک میں بھیجا گویا ایک
جزو تعلیم سمجھتے تھے۔ علاوہ ازیں جہاں کہیں علوم و فنون کے اساتذہ کامل ہوتے تھے
وہاں عرب لوگ اپنی اولاد کو لطیف خاطر بھیج کر پھر آخر الزمان کے ارشاد ^۱اطلبوا العلم
و لو کان فی الصين کو سب جو چشم بجالاتے تھے۔ الغرض عربوں نے اس طرح پر وہ تہذیب
اور شائستگی حاصل کر لی تھی کہ جو اس سے قبل انہیں نام کو بھی موجود نہیں تھی
دارالخلافہ بغداد کی دلکش خوبصورتی اور اس کی شان و عظمت سلطنت عرب کے مختلف ممالک
میں سے سیاحین اور شائقین کے گردہ کے گردہ اپنی طرف بکثرت کھینچتی رہتی تھی۔ چنانچہ

۱۔ ترجمہ۔ طلب علم کی کوشش کرو اگرچہ وہ چین ہی میں کیوں نہ ہو ۱۲۔

کہا جاتا ہے کہ اوسکے مشتاق سیاحوں کی سالانہ تعداد حجاج مکہ کی تعداد کی برابر ہوتی تھی۔
 صنعت و حرفت اور زراعت کی برکت سے خاص عرب میں بھی اس قسم کی تجارتی اشیاء
 پیدا ہونے لگی تھیں کہ جو ممالک غیر کی اشیاء سے ہر طرح پریمیز اور انوکھی ہوتی تھیں۔ عرب
 ہرمین میں فن پارہ بانی میں کیا تھا۔ مضافات یمن میں سے صنعا جو ایک مشہور قصبہ ہی
 اس میں خرے اور گندم کی پیداوار بکثرت ہوتی تھی۔ روغن بلسان سکے سے بارہو کر فارس
 اور ہندوستان میں جاتا اور وہاں سے اوسکے معاوضے میں ہندوستانی اور ایرانی
 ساخت کے کپڑوں کی کیسپ آتی تھی۔ کافی کہ جس کا نام عرب والوں نے اوسکی خاصیت
 کے لحاظ سے قہوہ رکھا ہے یہ بھی عرب کی خاص پیداوار تھی۔

یہ نظر دلچسپی مغز ناظرین ذیل میں ہم سب کے چند نامی گرامی تجارتی مقامات کا ذکر کرتے ہیں
 بغداد اور اسکے قرب وجوار کے مقامات نے تو جیسا کہ ہم اوپر بھی لکھ چکے ہیں بابل کی گذشتہ
 تجارتی وقعت اور رونق کو اپنی سرزمین پر گویا از سر نو ہی پیدا کیا تھا۔

دمشق جو صوبہ شام کا صدر مقام اور دنیا کے نہایت قدیم شہروں میں سے ایک پرانا شہر
 نسیم کیا جاتا ہے وہ حجاج مکہ کی گذر گاہ پر واقع ہونے کے سبب سے ایک بڑا تجارتی مقام

۱۱ یونانی طبیعیوں نے اسکے خواص میں اسکو مسہر یعنی سیداری لانے والی شے لکھا ہے ۱۲

۱۳ اس موقع پر مختلف ممالک میں قہوہ کے عام رواج یا نیکازمانہ بتلانا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ قسطنطنیہ میں اول اول
 ۱۶۵۷ء قہوہ خاندان قائم ہونے کی تاریخ ۱۵۵۷ء مارٹس میں ۱۶۷۱ء پیرس میں ۱۶۷۲ء ہمبرگ اور نورمبرگ میں ۱۶۹۶ء اور لندن
 ۱۶۹۷ء بیان کی گئی ہے۔ قہوہ کا پودہ اول اول بٹیویا میں ۱۶۷۹ء ایمپٹروم میں ۱۷۱۵ء سوری نام میں ۱۷۱۵ء ہندوستان
 ۱۷۱۵ء کین دمارٹنگ میں ۱۷۲۶ء اور میکا میں ۱۷۳۳ء میں لایا گیا تھا۔ ۱۲

تھا۔ علاوہ ازیں وہ فن لوہاری اور خصوصاً تلوار سازی میں ہمیشہ مشہور رہا کیا ہے۔ چنانچہ
تلواروں پر جو وہان نقش و نگار ہوتے تھے اُسی کے اعتبار انگریزی زبان میں اُس قسم کی
منقش تلوار کے ساتھ لفظ "ٹیمینگ" استعمال ہوتا ہے علیٰ ہذا القیاس لفظ "ٹیمیک" جو انگریزی
زبان میں مشجر اور جامدانی کے لئے مستعمل ہے وہ بھی شہر دیش (ٹیمیک) کی مناسبت کے
محاط سے بولا جاتا ہے۔

ضلع ارمینا اور بالخصوص ٹری بڑا ٹنڈک جو بحر اسود پر واقع ہے یہ دونوں ارغوانی رنگ کے
منقش پردوں کے باعث دُور دُور مشہور تھے۔

طہران کہ جہان کو تاتار کے کاروان گذر کر جاتے تھے اُسکے بازاروں میں اعلیٰ ترین
فنیچر یعنی اسباب آرائشی مکانات۔ سوت۔ کتان اور شرکی پشم کے کپڑے اور غیر مختلف
قسم کا سامان وافر ہمیشہ موجود رہتا تھا۔

عربوں کے عہد حکومت میں فارس کی اندرونی تجارت کی خاص منڈی اصفہان تھا۔
جسکو کہ اس وقت سلطنت فارس کے پایہ تخت بننے کی بھی عورت حاصل تھی۔ اس شہر میں
کتان اور اُون کے کپڑے نہایت ملایم اور نرم بنے جاتے تھے۔ وہان کی کتان تو غیر
شل ریشم کے باریک ہوتی ہی تھی۔ گراؤن بھی ایک خاص قسم کی ہیر سے لیجاتی تھی کہ جو
اُس کے سرسبز و شا داب رمون میں لکھ کر پالی جاتی تھی۔

بحیرہ آرل اور طبرستان (کاسپین) کے درمیان کے نشیبی حصہ میں ان تاجروں کا گروہ

آباد تھا کہ جروس اور عرب والوں کے مابین تجارتی لین دین کیا کرتے تھے۔ عربوں سے سوت، کتان، اور ریشم کی صنعتکاری کی چیزیں لیکر ان کے معاوضے میں انکو سمبوسہ شد اور موم شمالی ایشیا کی پیدا شدہ چیزیں دیتے رہتے تھے۔ تاجر لوگ خراسان سے دریا والگا کے دہانے تک اور وہاں سے جانب شمال کرزن اور جانب غرب دریاے وٹان تک پہنچتے تھے۔

ملک نائیکر سے اہل عرب سونا اور برص لاتے تھے اور وہیں انکو وہ جنگلی اور غیر مانوس جانور بھی بکثرت ملتے تھے کہ جنکے سدھانے اور تربیت دینے میں انکو اپنے ہنر و کمال دکھلانے کا موقع ملتا تھا۔

عربوں اور چینوں کے باہم تعلقات ملکی کا ایک مضبوط رشتہ قائم ہو گیا تھا۔ چنانچہ بغداد سے کنسٹنٹینک قافلوں کی آمد و رفت کے لئے برابرتین راستے کھلے ہوئے تھے۔ جن میں سے دورا سے تو منگولیا اور ارض علی تاتار خود مختار میں سے ہو کر جاتے تھے اور تیسرا بلخ اور ختن کے مشہور تجارتی مقامات سے گذر کر بخارا کو طے کرتا ہوا جاتا تھا۔

ختن اس زمانے میں ناف دنیا شمار ہونے کے علاوہ قسم قسم کی صنعتکاری کے کارخانوں اور مختلف صنوم و فنون کی درسگاہوں کے باعث بھی دور دور مشہور تھا۔ اور اسکے قریب جوا کا منظر نہایت ہی نظر فریب اور دلکش تھا۔

قافلہ تجارتی آمد و رفت کے لئے جو ایک راستہ خراسان سے افغانستان اور بخارا کو

بہادران عرب اسپین کا جو صوبہ فتح کرتے تھے وہ تمام وکال اونھیں کی ملکیت تصور ہوتی تھی۔ الا جو ملک ان کے پاس بصلح آتا تھا اُسکے باشندوں کے حقوق ملکیت وہ ہر طرح محفوظ اور برقرار رکھتے تھے۔

عیسائی مورخین کا فاتحین اسپین پر یہ بہت بڑا اعتراض ہے کہ وہ اسپین کے اصلی باشندوں کو براہ تعصب فوجی خدمتیں نہیں دیتے تھے۔ بلکہ ممالک شرقیہ ہی کی فوجیں تمام اسپین میں بھیلی ہوتی تھیں۔ چنانچہ قرطبہ میں خود خلیفہ کی خاص سپاہ قینیات رہتی تھی۔ سویل میں ایمپیا کے رسالے اور الجزیرہ مدینہ۔ سڈونیا میں فلسطین کی پلٹین جاپنی ڈالے پڑی تھیں۔ غرناطہ میں شریف و نجیب عربی خاندان کے ہزار ہا لوگوں سے رسالہ بہرتی کر کے رکھا گیا تھا۔

عیسائی مورخ اگر اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھتے تو کہیں اونکو اس قسم کے اعتراض کرنے کی جرات نہوتی۔ کیونکہ خود انکی سلطنتیں بھی قومی طرفداری کے مخصوص سے متشی نظر نہیں آتیں ہندوستان میں فوجی ملازمت کا جو حال ہے وہ خود تیار ہا ہی کر غریب مقبوضین کے مقابلے میں فاتح قوم کے ساتھ کس درجہ طرفداری کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ ویسی لوگ فوج میں بہرتی ضرور ہیں۔ لیکن انکی ترقی اس قدر محدود ہے کہ اس بہرتی کئے جانے سے اُنکا نہ بہرتی کیا جانا اُنکے حق میں کہیں بہتر ہوتا۔ یورپین کے لئے ترقی کا وسیع میدان کھلا پڑا ہے۔ افری کی ادنی خدمت سے وہ کرنلی۔ جرنیلی۔ حتیٰ کہ کمانڈر جنرلی کے منصب جلیلہ اور اعلیٰ خدمت پر تبدیل ہو سکتے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ متعصب مسیحی مورخ

اپنے ہاں مفتوحین کو فوج میں با اثر خدمتیں نہ دیئے کو مصلحت ملی اور وہاں تعصب ہی سے تعبیر کرتے ہیں۔

عالی ہمت اور بلند حوصلہ عرب صرف اسپین ہی پر اکتفا کر کے نہیں بیٹھے بلکہ ان کے منہل بہادر وں نے سلطنت فرانس کی طرف بھی قدم بڑھایا اور طورس تک پہنچے بھی مگر ناسازگاری بخت سے ایسا ہوا کہ سولہ عین چارلس مارٹل کے مقابلہ میں اودن کو شکست کھا کر وہاں سے بے نیل مرام لوٹنا پڑا۔

کوہ پائرنیز کہ جو اسپین اور فرانس کے درمیان حد فاصل کے طور پر واقع ہے اسے بھی اپنی دشوار گزاری کے باعث عربوں کو اپنے اوپر یا الاستقلال قبضہ نہیں دیا اور اس میں جو پھڑی جبرگوں کے لوگ آباد تھے انہوں نے بھی اقوام غیر کا مطیع فرمان بننا کبھی گوارا نہیں کیا۔

بالآخر پندرہویں صدی میں سات سو سال کی با عظمت و جلال حکومت کے بعد عربوں کو ہمیشہ کے لئے اسپین چھوڑ کر کلنا پڑا۔ ان سات صدیوں کا تاریخی حال سلطنت ہائے مشرق کی صد ہا صدیوں کی برابر ہے۔ الغرض جو سلطنت ایک زمانے میں عقل و دانش اور جرات و بہادری سے عربوں کے ہاتھ آئی تھی وہی اب اودن کی ناعاقبت اندیشی بد عقلی اور بزدلی کے باعث ان کے قبضے سے کل گئی۔

عربوں کی جفاکش اور محنت پسند طبیعت کے ہاتھوں اسپین کا چپہ چپہ رشک مہم بنا ہوا تھا یہاں تک کہ نجد سے ہجر زمین کے قطعات بھی نہروں اور نالوں کی بہ آبیاری سے تختہ گلہا

بنے ہوئے تھے۔

تجارت کے باعث مال و دولت میں دن و گنی اور رات چوگنی ترقی تھی نصف صدی سے بھی کم مدت میں عربوں کی ناشائستہ اور وحشی قوم تہذیب اور شائستگی کے اعلیٰ رتبے کو پہنچ گئی تھی۔

امیر اسپین ابتدا میں خلافت دمشق کے زیر دست اور باجگزار ہوتے تھے خلافت دمشق کے تہ و بالا ہونے کی وقت ایک شخص عبدالرحمن نامی جو کہ خاندان شاہی میں سے تھا وہاں سے نکل کر اسپین میں آیا اور یہاں اُس نے اپنی خود مختار سلطنت کی بنیاد ڈالی اسپین کو جب اسطرح خود مختاری نصیب ہوئی تو وہاں کی وہ دولت و ثروت کہ جو وہاں سے نکل کر بطور خراج دمشق کے خزانے میں داخل ہوتی تھی اب وہیں رہنے لگی اور اس سے ترقی تہذیب میں گویا اور زیادہ مدد ملی۔

مورخین نے عبدالرحمن کے حال میں لکھا ہے کہ اُسکی سالانہ آمدنی تفسیل ذیل ہوتی تھی۔
سونادس ہزار اونس۔ چاندی دس ہزار رطل۔ خمر دس ہزار۔ زرہ بکتر ایک ہزار۔ خود ایک ہزار۔ برچھیان ایک ہزار۔

عبدالرحمن ثالث کے وقت میں سلطنت اسپین کمال عروج پر تھی اور اُسکے عہد میں اسپین کی آمدنی بھی بہ نسبت دوسرے خلفاء کے عہد کے بڑھی ہوئی تھی۔ چنانچہ بیان کرتے ہیں کہ مالگزاری کا ساڑھے پانچ ملین روپیہ سال بسال رعایا پر کسی قسم کا قصول و رنا گوارا نہ کس لگانے یا اور کسی طرح کی جبر و تعدی کر نیکی بغیر وصول ہو جایا کرتا تھا۔

عبدالرحمن ثالث کے وزیر اعظم نے ایک موقع پر اُس کے حضور میں جو نذرانہ پیش کیا تھا اُس کا حال مورخین نے بھی بیان کیا ہے۔ اوسکو دیکر اسپین میں عربوں کے متول کا اندازہ اچھی طرح ہو سکتا ہے۔

مورخین نے اس نذرانہ کی فہرست حسب تفصیل ذیل دی ہے۔

طلائے خالص ۴۰۰ رطل۔ چار لاکھ بیس ہزار دینار کی مالیت کی چاندی کی سلاخیں۔
مصبر ۴۰۰ رطل۔ غبر ۵۰۰ اونس۔ کافور ۳۰۰ اونس۔ تاش بادلے کے تیس ہتان۔
قسم اعلیٰ کے پوتین دسل۔ سمبوری پوتین ایک تنو۔ گھوڑوں کی ریشمی اور کارچوبی
جولین چار درجن۔ ریشم ۴۰۰ رطل۔ ایرانی قالین تیس عدد۔ اٹھ سو گھوڑوں کا فولادی
ساز و سامان۔ ایک ہزار ڈھالین۔ ایک لاکھ تیر۔ ایک سو پندرہ عربی گھوڑے۔
اور بیس خچرین مع قیمتی زیورات۔

دولت و ثروت کے ساتھ عقل و دانش اور علم و ہنر کا بھی تمام اسپین میں سکھ بیٹھا ہوا تھا۔
حق تو یوں ہے کہ اسپین کے سید متول نے مشرقی ٹیپ ٹاپ کو اپنے دل کے ارمان
نکالنے کا خوب ہی موقع دیا تھا۔

چنانچہ ^{۱۱}تھوڈا الحم اکی درودیوار کے طلائی نقش و نگار در رنگ برنگ کی گلکاریاں پر چڑھتے
نظارہ کے ساتھ اب بھی اُس کے مٹے مٹے نشان ظاہر کر رہی ہیں۔

خلفائے اسپین کو عمارات کا اس درجہ شوق تھا کہ اسپین کے ہر صوبے اور ہر شہر میں

عالی عالیشان متعدد مسجدیں اور ہشتار سر بفلک قصر کھڑے نظر آتے تھے۔ اور جو عمارت ہوتی تھی وہ اس شان و شکوہ اور صنعت کی ہوتی تھی کہ آج باوجود اسکے کہ اُس زمانہ کی مشہور عمارتیں دیرانے اور کونڈر کی بھیاناک اور مہیب صورت بنا کے کھڑی ہیں لیکن ناہم جس شخص کا او دہر گزر ہوتا ہے وہ اون کی عجیب و غریب صنایع پرش عیش کئے بغیر نہیں رہتا۔

مسجد قرطبہؒ کہ جسکو عبدالرحمن اول نے تعمیر کرا کر اپنی عالی حوصلگی اور فراخ دلی کا ثبوت دیا تھا وہ چھ سو فٹ لمبی اور دو سو پچاس فٹ چوڑی تھی۔ اُسکی چیت کو سنگ مرمر کی ایک ہزار ترانوے ستون بلحاظ عظمت اپنے سروں پر لئے کھڑے تھے مسجد کا اندرونی حصہ ستونوں کی قطاروں سے اونیٹل درجوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ مسجد میں رات کی وقت سات اٹھ ہزار گلاس اور قندیل روشن ہوتے تھے جنہیں روزانہ بیس ہزار رطل تیل جلتا تھا۔

قصر الزہرہؒ کی عمارت میں اس مسجد سے بھی بڑا اعلیٰ درجے کی صنایع دکھلائی گئی تھی باوجود تعجیل اور کوشش بلینج کے اُسکی تعمیر میں پچیس سال کا عرصہ لگا تھا۔ اسکی لاگت کا تخمینہ سو اسی لاکھ روپیہ کیا گیا ہے۔

مدینۃ الزہرہؒ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ قصر الزہرہ کے ارد گرد بعد میں آباد کیا گیا تھا۔ قرطبہ سلطنت اسپین کے دار الخلافت ہونیکے علاوہ کارچوبی کے کام سونے اور چاندی

کے زیورات کی ساخت اور وہیں کے ایک خاص قسم کے چڑیگے لحاظ سے بھی مشہور عام تھا
شہر قریب کی صحت اور رونق ظاہر کرنے کے لئے اس قدر لکھنا کافی ہے کہ اوسمیں چھ مسجدیں
اور ایک ہزار حمام موجود تھے۔ صنعت و حرفت پیشہ والوں کے دو لاکھ خاندان آباد
تھے۔ اور ہر خاندان کی بود و باش علیحدہ علیحدہ تھی۔ ریشم بافی کے سولہ ہزار کارخانے قائم
تھے اور صرف سوئیل میں ایک لاکھ تیس ہزار جولاہے بستے تھے۔ آبادی کی گنجائی کی یہ
کیفیت تھی کہ دریا کے گولڈ کلوئر کے کناروں پر جو مواصلات آباد تھے ان میں باہم
ایک چوتھائی فرسنگ کا بھی فصل نہ تھا۔

وہاں کے لوگوں کی محنت اور جفاکشی کا یہ حال تھا کہ وہ ہر ایک کام اور ہر ایک پیشے
کو نہایت سرگرمی اور بڑی تندہی سے انجام دیتے تھے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی طرح
وہ کسی قسم کی محنت اور حرد کو باعث ذلت اور عار نہیں سمجھتے تھے۔ اور نہ اہل یونان اور
روما کی طرح محنت اور مزدوری کو فعل غلامی خیال کرتے تھے۔

اہل عرب اپنے مفتوحین کے ساتھ اس نرمی اور لطف سے پیش آتے تھے کہ شاید کوئی فاتح
اپنے مفتوح سے کبھی اس طرح نہ پیش آیا ہوگا۔ وہ بات کی دہنی اور قول کی پیکے ہوتے تھے۔
چاندی کی قدیم کانیں کہ جو اسپین میں ازکار رفتہ سمجھ کر دیسے ہی چوڑی گئی تئیں عربوں کی
تدبیر و حکمت سے وہ پہر چاندی اُگلنے لگیں اور دریافت امر کیا تک اسپین کے معاون سے
براہمیتی فلزات نکلتے ہے۔ لعل و زمرہ دیکھا اور ملاگا سے نکالے جاتے تھے۔ مرجان

اور موتی ساحل سمندر پر جمع کئے جاتے تھے۔

عرب لوگ ریشم اور اون کے رنگنے اور بننے اور بالخصوص معدنی کاموں میں نہایت مشہور تھے۔ انکی صنعت و حرفت کی دوسری پیدا کی ہوئی چیزیں مثل ریشم خام۔ روغن۔

شکر۔ سیاب۔ لوہے کے شہتیر۔ رنگ۔ عنبر۔ قنطاریس۔ مرہ۔ بلور۔ گندہک۔ بول

قططنیہ کو بطور برآمد بکثرت بھیجی جاتی تھیں۔ علاوہ ازیں ملک کی اور دوسری مختلف

پیداوار کی اس درجہ بکثرت تھی کہ بہ نسبت درآمد کے وہاں کی درآمد کی مقدار ہمیشہ بڑھتی رہتی

تھی۔ اور تبادلہ جس کے لحاظ سے عرب ہی ہمیشہ نفع میں رہتے تھے۔

متواتر کامیابیوں اور بچید دولت و ثروت نے قاعدہ عام کے مطابق انکو ایسا بہت

کیا کہ وہ اپنے پاک مذہب اور سچے دین اسلام کے بھی پوئے پوئے پانپنہ رہے اور

عیش و قیش میں پڑ کر بالکل سُست و کاہل بن گئے۔ انکے ولوں میں جوش اور ہاتھ پانوں

میں طاقت تو باقی رہی نہ تھی مگر ادھر بھی طمع و حرص کے گدگد کرنے سے اُن سے بچلا نہیں

بیٹھا جاتا تھا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے ضعف اور ناتوانی کے زمانے میں پارسیز کے منگجھو

پہاڑی لوگوں سے جا بڑے اور بجائے اسکے کہ اُسے پہاڑ کی دشوار گزار گھاٹیاں خالی

کر کر ادھر خود قابض و مسلط ہوتے افسوس اور صدمہ فوس کہ اُنکو ہی اسپر خالی کر دینا پڑا

افریقہ میں عربوں کی تجارت عربوں کی فتح سے پہلے بربرانکی اصطلاح میں افریقہ کے اُس

حصہ ملک کو کہتے تھے کہ جو مصر سے لیکر بحر اطلال تک پھیلا ہوا تھا اور اسی کا کچھ حصہ

زمانہ قدیم میں ماریٹیم کے نام سے بھی مشہور تھا۔

نہ یہ دوسرے یا نائب السلطنت اوس پر حکمران ہوا۔

خلافت دمشق کا قاتمہ ہونیکے بعد بربری عربوں کے دلمین بھی سلطنت اسپین کی طرح اپنی خود مختار سلطنت قائم کرنے کی ترغیب اور تحریکیں پیدا ہوئی۔ اور اسی بنا پر مصر میں خاندان بنی فاطمہ کی پُر زور خلافت قائم ہو گئی۔

ٹونس سے جانب جنوب بارہ میل کے فاصلے پر شہر قیروان جو شہ ۶۰۰ میں تعمیر کیا گیا تھا مالک بربر کا صدر مقام اور خلیفہ دمشق کے نائب السلطنت کا قیام گاہ تھا۔ گواہ یہ شہر چنان مشہور نہیں مگر اُس زمانے میں اسکی شہرت اور عظمت کا یہ حال تھا کہ صحیح خلافت کے اعتبار سے گویا وہ بربری سلطنت کا مرکز بنا ہوا تھا کہ جس سے مشرق مغرب اور جنوب کو برابر شریکین چلی گئی تھیں۔ شہر کے بچوں ایک نہایت عظیم الشان مسجد کثری اسلامی شان شوکت ظاہر کر رہی تھی۔ اسکا طول ۲۵۰ اور عرض ۵۰ اگر کے قریب تھا۔ اسکے گنبد کو کہ جو اعلیٰ درجے کے سنگ مرمر سے تراش کر بنایا گیا تھا اسی قسم کے پتھر کے ۲۴ ستون اپنے سروں پر اوٹھائے کھڑے تھے اور باقی حصہ مسجد کو معمولی پتھر کے ستون کہ جو شمار میں چار سو چودہ تھے سنبھالے ہوئے تھے۔

اسی جگہ سے شہر کے ساتون دروازوں کو بڑی بڑی کٹادہ اور فراخ ٹرکین گئی تھیں کہ جن پر ہر وقت تجارتی مال کی آمد و رفت رہتی تھی۔ ان میں سے خصوصاً ان دو ٹرکون پر کہ جو ”باب طونس“ اور ”باب الفخ“ کو جاتی تھیں بارہ میل تک بلا کسی فرق فاصل

کے دونوں طرف نہایت عالیشان دکانیں کھلی ہوئی تھیں کہ خمین نہ
 نمک کہ پورل اور چین کیسے دور و دراز مالک کی چیزیں بھی بکرت موجود رہتی تھیں
 قیردان کے قرب و جوار میں اور بھی بہت سے پُر رونق شہر آباد تھے کہ جنکو اپنی تجارتی
 منڈیوں اور سنگ مرمر کی عمدہ اور نفیس عمارتوں پر بہت بڑا فخر اور تاز تھا۔
 قیل میں ہم افریقہ کے چند ایسے شہروں کا حال لکھتے ہیں کہ جو تجارت اور اسباب تجارت
 کے لحاظ سے شہرت پائے ہوئے تھے۔

بکاڈا ہی صرف ایک ایسا ہی شہر تھا کہ جسکو شراب خرمانے کی وجہ سے شہرت حاصل تھی۔
 حوالی کسک میں قلعوں کی شمار دو سو تک پہنچی تھی۔

صبرہ کہ جو غلہ کی تجارت کا خاص مقام تھا وہ پائیتخت قیردان سے بذریعہ ایک طویل
 طویل دیوار کے ملحق کر دیا گیا تھا اور اُس کے آس پاس بہت سے ایسے بزرگ گاہ موجود
 تھے کہ جو بحری تجارت اور صنعت و حرفت کے لحاظ سے یکساں مشہور تھے۔

صومہ میں زریفت اور بادلے کے تھان اس صفائی اور صناعتی سے تیار ہوتے
 تھے کہ لوگ انکو بلجاٹا سکی نزاکت اور صفائی کے ”یرج منسوج“ یعنی ”نبی ہوئی ہوا“ سے
 تعبیر کرتے تھے۔

حمادیا اور سفاکس میں سفید تو ت بکرت پیدا ہوتے تھے اور ریشم کے کیڑے بھی
 بافراط پائے جاتے تھے۔

طرابلس میں بسبب ایک میدان شور کے قریب واقع ہونیکے نمک کی بہت کثرت تھی

ہرن میں بحری اور کاروانی دونوں تجارتوں کا سلسلہ قائم تھا۔ بحری تجارت کا
 تعلق بالخصوص جزیرہ سسلی اور اسپین کے ساتھ تھا۔ اور کاروانی تجارت کے لحاظ سے
 تمام بندرگاہیں پائیتخت قیروان سے بذریعہ ٹرکون کے وابستہ تھیں۔ ممالک باسٹینیا
 کہ جن میں اب مراکو۔ فیض۔ اور مغربی الجزائر شامل ہیں عرب اور اسپین کے لوگوں کو
 اپنی طرف کو یا مقناطیسی قوت سے کھینچتے رہتے تھے۔ چنانچہ انھیں نووارد لوگوں کی
 مجموعی کوشش کا نتیجہ تھا کہ اٹھویں صدی میں شہر فیض کی بنیاد پڑی۔ شدہ شدہ فیض نے
 صنعت اور دستکاری خاص کر فیض کلاہ کے بنانے میں کہ جو زیادہ تر رومی کلاہ کے نام
 سے مشہور اور اب تک ترکون اور ہندوستان کے حذب لوگوں کے سر دین پر نظر
 آتی ہیں۔ بڑا نام پیدا کیا۔ کپڑے بافی اور رنگ سازی کے بشمار کارخانوں کے علاوہ
 وہاں ریشم اور زر دوزی کے کارخانے اور صابون کی بٹھٹیاں بھی بکثرت موجود تھیں
 اسکے سرسبز و شاداب تختہ حیات زمین میں غلہ۔ کھجور۔ انگور۔ اور زیتون کی پیداوار
 بافراط ہوتی تھیں۔ بیڑے۔ بکریوں۔ گھوڑوں۔ گدھوں اور اونٹوں کے غول کی غول
 ہرے ہرے مرغزاروں میں چرتے چاتے اور کلیں کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔
 معدنی پیداوار میں لوہا۔ تانبا۔ سرمہ اور اس ملک کی خاص چیزیں تھیں۔ مکہ سے اس
 ملک کی تجارت بذریعہ کاروان اور لوانٹ سسلی۔ اور اسپین میں جہازوں کے
 ذریعے سے ہوتی تھی۔ وسط افریقہ یعنی سوڈان اور حبش میں یہاں کے تاجروں کی
 آمد و رفت بغرض حصول۔ پر۔ بردہ۔ سوتا۔ اور ہاتی دانت برابر جاری رہتی تھی اور

سکل میاں این چیزوں کی تجارت کا خاص دساورتھا۔

سکل میاں کہ جو علاوہ دساورگاہ ہونیکے صنعت و متکاری کے اعتبار سے بھی ایک بڑا مشہور شہر تھا وہاں سے شرقاً و غرباً ہمیشہ مصر اور نائیکر کو قافلے جاتے تھے۔

اس مقام کی تجارت اس قدر بڑھ رہی ہوئی تھی کہ عربوں نے مال تجارت کی درآمد اور برآمد کی سہولت کے لئے پہاڑ کا لگو بیالیں میل لمبی ایک شڑک نکالی تھی۔

ممالک ماریٹیمیا کی گذشتہ اور موجودہ حالت میں بلحاظ سرسبزى و شادابی بہت بڑا فرق ہے۔ جہاں اب خشک اور بجز زمین کے قطعات پڑے نظر آتے ہیں وہاں پہلے

میں سرسبز اور شاداب اور املہ ماتے ہوئے باغات۔ آباد و ماضعات بیشمار عظیم الشان قلعے۔ اور جابجا آبپاشی کے لئے نہریں اور نالے موجود تھے۔ اس بنا پر اسکی اگلی

اور موجودہ حالت دیکھ کر دل میں خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دراصل نیچر کی مہربانی اور فیاضی نسبت پہلے کے اب کچھ کم ہے کہ جسکے باعث اس سرزمین کو یہ روز

بد دیکھنے نصیب ہوئے خیر اس گئے گذرے زمانہ میں بھی اسکی زرخیزی کا یہ حال ہے کہ جس جگہ آبپاشی وغیرہ کا اچھا بندوبست کیا جاتا ہے اس جگہ گویا گذشتہ سرسبزى اور

شادابی کا نمونہ نظر کے سامنے پہر جاتا ہے۔

عربوں کے زیر حکومت رہ کر مصر میں بھی بلحاظ اسکی تجارتی وقعت اور شان کے بہت کچھ ترقی ہوئی ہے۔

سائین کاروانی تجارت کے لحاظ سے ایک مشہور دساوری مقام تھا۔

ٹیکس اور ڈمیٹائیہ دونوں مقام صنعت و حرفت کے اعتبار سے یکساں مشہور تھے۔

مشرق کو جب قدر قافلے جاتے تھے اُن سب کو پائیتخت فوسٹاٹ سے ہو کر گذرنا پڑتا تھا اور یہ انتظام اس نظر سے کیا گیا تھا تاکہ پائیتخت کی تجارت میں ترقی اور رونق ہو آخر کار یہ غرض پوری ہوئی اور شہر فوسٹاٹ مشرقی دولت و ثروت اور شان و شوکت کا مرکز بن کر ہالیکن افسوس اور صد ہزار افسوس کہ ۱۶۷۷ء میں اُسکی تمام ثروت اور شوکت آتشزدگی کے ہاتھوں خاک میں مل گئی۔

سلی اور نیز دیگر ممالک سلی کے اُس خوشنما اور پرنسٹا جیسے پیر کے جسکے جاڑے

میں عربوں کی تجارت اور گرمیوں میں جدا جدا موسم بہار اور گلابی جاڑوں کا لطیف

تھا۔ عربوں کا قبضہ ۱۳۲۷ء سے لیکر ۱۹۰۹ء تک رہا ہے وہاں عربوں کی بود و باش اگرچہ فاتحانہ حیثیت سے تھی مگر مفتوحین کے ساتھ اونکا برتاؤ بالکل بے تحاشانہ اور مہربان نہ تھا۔ عربوں کی توجہ اور کوشش سے مصر کی رونی نیشکر اور فارس کی طباشیر بھی وہاں

۱۷۰۰ء جزیرہ سلی۔ عربی زبان میں اسکا تلفظ صقلیہ ہے جسکا رقبہ تقریباً دس ہزار میل مربع ہے اور اسکا تمام رقبہ غالباً سات اضلاع پر منقسم ہے پھر اُسکے ایک ضلع ٹرائینی (نندہ صقلیہ) ہے بیچم البلدان میں حالات صقلیہ کے ذیل میں اس ضلع کی نسبت لکھا ہے کہ بغداد کا ایک مشہور و معروف تاجران جو قل لغرض تجارت جب اس ضلع میں پہنچا ہے تو اس نے وہاں مسجد بن کی یہ کثرت پائی کہ توڑے ہی توڑے فاصلہ پراون کی شمار و نسل دس کے قریب تھا کہ ہوتی تھی *

جای عبرت ہے کہ اب اُس جگہ ایک متفس ہی ایسا نہیں ہے کہ جو مسلمان کے مبارک لقب سے یا کیا جا سکے ۱۲

بکثرت پیدا ہونے لگی تھی غلہ خصوصاً گھون کی پیداوار کے لحاظ سے تو سسلی دنیا ہی
قدیم کا کھنڈہ ہی کہلایا جاتا تھا۔ انگور۔ زیتون۔ اور نیزہ دوسرے قسم کے بہت سی میوے
بھی وہاں بکثرت پیدا ہوتے تھے۔ اُسکے معادن سے مختلف قسم کی معدنی خیزین
بھی بافراط نکالی جاتی تھیں سسلی کے کشیدون اور تماش بادلون کی تو یہاں تک قدر
تھی کہ شہنشاہان جرمن کی تاج پوشی کے موقع پر جرمنی میں انکی اکثر مانگ ہوتی تھی۔

عربوں کی تجارت کے متعلق اب تک جسقدر باتیں دریافت ہوئی ہیں ان سے عربوں
کی اعلیٰ تہذیب اور شرافت نسل کا پورا پورا ثبوت ملتا ہے۔

اُنکے تجارتی قوانین کفایت شعاری کے اصول کے گویا کیسے ہی خلاف کیون نہوتے
تھے مگر ساتھ ہی اسکے وہ انسانی ہمدردی سے ذرا تجاوز نہیں کرتے تھے۔ اشیائے
مایتیاج کی قیمت کی شرح اُنکے ہاں اکثر غریب اور کم استطاعت لوگوں کی حیثیت کو موافق
مقرر کیا جاتی تھی۔ تاکہ اُنکی ضرورتیں اُنکی نہ رہیں۔

اُنہوں نے جہازوں پر مقدار معین سے زیادہ مال اسباب بار کر نیکی اسلئے سخت ممانعت
کر رکھی تھی کہ کہیں طلوع اور لالچی تجارت اپنے منافع کے لالچ میں جہازوں پر اسقدر اسباب
لا دے کہ جہازیں کر جھکے باعث جہاز کو ٹوٹنے اور اُسکے آدمیوں کے ضائع ہونے کا خطرہ دہشت آئے
عربوں کی بحری تجارت اس میں شک نہیں کہ بہت ہی بڑی ہوئی تھی مگر پھر بھی اُنکی کاروانی
تجارت کے مقابلے میں وہ کسی شمار میں نہیں آسکتی۔

سمندر کی راہ سے سفر کرنے میں اگرچہ اُس طاقت اور قوت کی زیادہ تر ضرورت تھی کہ

جس سے اُنکے بزرگوں نے اُنکو پہلے سے بے نیاز کر کے نہیں رکھا تھا مگر تاہم فن
جہاز رانی کی تھوڑی سی واقفیت پر بھی انہوں نے اپنے جان و مال سے بیخاطر ہو کر بحری
تجارت کو جب قدر و وسعت اور ترقی دی تھی آج وہ بھی ہمارے لئے کچھ کم حیرت انگیز اور
خالی از عبرت نہیں ہے۔

شرق میں عربی تاجروں کا ایک گروہ بصرے سے چل کر سقراطینچا وہاں اوسکو ایک
طرف تو ہندوستان اور دوسری طرف افریقہ کے جنوبی اور شرقی سواحل نظر آئے
اُس گروہ کے لوگ تجارت کی غرض سے ان دونوں ممالک میں پھیل گئے۔ چنانچہ
افریقہ کے شرقی سواحل پر جب قدر مقامات ہیں وہ تقریباً کل کے کل عربی الاصل یعنی
اونہیں لوگوں کے آباد کئے ہوئے ہیں۔

افریقہ کے اندرونی حصے کی باشندے سونا، شرمخ اور مور کے پرہن کی کمالین۔
باقی دانت۔ غنبر۔ کچوے کے خول۔ ان مقامات پر لاکر فروخت کیا کرتے تھے۔
ہندوستان میں بھی اس قسم کے مقامات اول اول ساحل ملابار پر آباد کئے گئے
تھے اور یہیں سے عربوں کی تجارت جزائر مالدیو۔ نکوبار۔ سرانڈیپ اور سائر کیسے دور
و دراز ممالک میں پہنچتی تھی۔

پہلے تین مسلمان عرب کی جماعت اول اول شہر مدینہ پہنچی اور بڑی گرجاؤں کے
ساتھ اُسکا استقبال کیا گیا۔ اور تجارتی کوٹھیاں کھولنے کی اوسکو اجازت دی گئی۔
عربی تاجر میکس وغیرہ کی زمتوں سے متشنی کئے گئے۔ اور اُنکے باہمی مقامات اور

تتازعات کے فیصل کرنے کا حق بھی اودھین کے حاکمون اور قاضیوں کو دیا گیا۔
 عربوں کے اس قسم کے چند ہی جہاز تھے کہ جنکو چین کے دور و دراز اور پرخطر سمندر
 میں جانے کی جرات ہونی پڑتی تھی۔

واسکو ڈیگاما نے جسوقت کیپ آف گڈ ہوپ کی راہ دریافت کر کے ہندوستان کی
 تجارت پر تگائیوں کے ہاتھ میں دی اوسوقت گویا عربوں کو پر تگال اور ہندوستان والوں
 کے درمیان بحیث یاگماشتہ بنکر اپنی گزشتہ تجارتی شہرت اور عظمت از سر نو حاصل کر نیکا موقع
 ہاتھ آیا۔ بحری سفروں میں عربوں کا دستور تھا کہ وہ تیرنے والی لکڑی کا ایک ٹکڑا اپنے
 ساتھ رکھا کرتے تھے کہ جس میں ایک سوئی (سوزن) لگی ہوتی تھی کہ جو ہر صورت اور
 ہر حالت میں سمت شمال کو بتلاتی چلتی رہتی۔ اس آئہ کار و اج چین میں اب تک جاری ہے او
 یورپ کے جہاز ران جو قطب نما استعمال کرتے ہیں وہ بھی گویا اس کی ایک شایستہ
 اور مزب صورت ہے۔

اس مضمون سے ہماری یہ غرض اصلانہیں ہے کہ اپنے بزرگوں کی فارغ البالی اور
 دولت و ثروت کو ہم اپنے لئے مایہ خزاور نا قرار دین بلکہ مطلب یہ ہے کہ مسلمان جو تجارت
 کو حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس سے اُنکے دلوں میں تجارت کی قیمت
 و عظمت اور ترغیب و تحریص پیدا ہو۔ **فَالْمَدْرَیَا اُولٰٓئِکَ الْبَصَادِ**۔

خاکسار

مجیب احمد تنائی

بتعلف صمیم

صفحہ (۲۲) شتبر خواشی

قصرۃ الحمراء

۲۰۰۳

قصرۃ الحمراء کی دلاویز خوبصورتی کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ جو قوت
پڑ (مدینہ) فاتحین اسپین کے سلسلہ میں منسلک ہو کر غرناطہ پھنچا اور اس کی
پلجائی ہوئی نظر قصرۃ الحمراء پر پڑی تو میا ختمہ اس کی زبان سے یہ نکلا قصرۃ الحمراء آہ اسپین
کس غضب کی دکشی پائی جاتی ہے! میرے خیال میں تو تمام روی زمین پر یہ ایک نظیر
اور لاثانی عمارت ہے! اسلام کی ایک بوسیدہ یادگار کا ایک عیسائی کی آنکھ میں
اس طرح کُتب جانا کہ وہ اس کو دیکھ کر بے اختیار ہو جائے بس بھی اس کی دکشائی اور
دلغریب نقشہ کا ایک کافی ثبوت اور بڑی دلیل ہے۔ قصرۃ الحمراء درحقیقت غرناطہ
کے شاہان اسلام کا ایک قصر یا ایک عالیشان محل تہا رفتہ رفتہ اسپین وہ ایزاد اور
ترقی ہوتی گئی کہ وہ قصرۃ الحمراء سے مدینۃ الحمراء معلوم ہونے لگا اسکے نام کے ماخذ اور
اشقاق کے بارہ میں عربی مورخین کا گردہ مختلف الراء اور متفرق البیان ہی چنانچہ
بعض عربی مورخ تو کہتے ہیں کہ اس کا نام الحمراء اسکے رنگ کے اعتبار سے رکھا گیا تھا۔

اور بعض کا قول ہے کہ چونکہ اسکا بانی قوم حمیری میں سے تھا اسلئے اسکی مناسبت سے اسکا نام احمر رکھا گیا ہے۔ عربی مؤرخین میں سے ایک مستند اور باوقار مورخ غناطہ کی اگلی سچ و سچ اور وارفتہ حسن و جمال کا دلکش فوٹو ان لفظوں میں اتارتا ہے۔

یہاں ایسے ایسے طویل القامت برج اور منار۔ اور ایسے ایسے ناقابل التسخیر قلعے اور حصاے ایسے ایسے دلکش اور نظرفریب قہر اور سرِ بفلک عمارتیں کھڑی نظر آتی ہیں کہ جبکہ دیکھنے سے دیکھنے والے کے دلیں بے اختیار اسکی عظمت اور محبت پیدا ہوتی ہے۔ یہاں اس کثرت سے ابشار گرتے اور چشمے بستے ہیں کہ جنگلی بلند آوازیں دُور و دراز کے فاصلہ سے اچھی طرح سُنائی دیتی ہیں اور انکی روانی لہلہاتے مرغزاروں اور ہر بہرے کھیتوں کو سیراب کرتی جاتی ہے غناطہ کے بیرونی شہرِ نیاہ کے ارد گرد اس کثرت سے وسیع اور دلکش باغ پھولے پہلے نظر آتے ہیں کہ درختوں کی گنجائی سے اون پر خود رو بن اور جماڑیوں کا گمان گزرتا ہے۔ لیکن تاہم وہ اسقدر گنجان نہیں ہیں کہ جو قعرۃ الاحمر کے اُن سرِ بفلک مناروں اور گنبدوں کے خوشنما نظارہ کی فراہم ہوں کہ جو درختوں کے پتوں میں مثل آسمان کے تاروں کے جھللاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تم شہرِ غناطہ سے باہر اگر شمالی حصہ کی اُس بلندی پر ٹھیکہ دیکھو کہ جہاں سے ایک جانب تو غناطہ کا ہوش رُبا منظر تمام و کمال پیش نظر ہوتا ہے اور دوسری جانب مضافات غناطہ کا نظرفریب جو بہن آنکھوں میں کُسا جاتا ہے تو اب بھی تھکو قعرۃ الاحمر کی بوسیدہ اور شکستہ چار دیواری کے اندر قدیم صنایع کی بہت سی یادگاریں اور گزشتہ ترک و اعتساف کی اکثر نشانیاں ایسی

دکھائی دیتی کہ جو اپنی پاکیزگی نفاست اور ندرت میں اگر زمانہ قدیم کی اور دوسری یادگار دن سے بڑھ چڑھ کر نہیں ہونگی تو اونکی بڑبری اور ہمسری تو ضرور ہی کرتی ہونگی قصرۃ الحمراء کی وضع اور ساخت دو مختلف حصوں پر تقسیم ہے۔

ایک حصہ تو ادسکاعرب کی عمارت کے نمونے پر ہے اور دوسرا اسپین کی عمارت کے طرز پر بنایا گیا ہے مگر انقلاب زمانہ سے دوسرا حصہ جو نامکمل رہ گیا تھا وہ اپنی تکمیل کو نہ پہنچنے کے غم میں اب غش غش کرنا کر فرش زمین لیٹا جاتا ہے۔

پہلے حصہ کے مکانات کچھ ایسی حکمت سے تعمیر کئے گئے تھے کہ وہ دیکھنے سے کمزور کا ایک غیر منقطع سلسلہ معلوم ہوتے ہیں اور بحیثیت مجموعی ایک ہی سطح پر کھڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں وسط عمارت کے فوارہ کی اوڑتی ہوئی اُن ننھی ننھی پھواروں میں کہ جو اُس عمارت میں داخل ہونے والوں کے استقبال اور خیر مقدم کے لئے اوڑھکے قدروں پر گرتی رہتی تھیں۔ ہال کا سارا حصہ برآمدے اور خوش تراش قوسیں اعلیٰ درجہ کے فریخہ سے آراستہ و پیراستہ دیکھی جاتی تھیں جس وقت آنکھوں کے سامنے یہ جلوہ نظر آتا تھا تو گویا ایک طلسم کا کارخانہ یا خواب کا سامان آنکھوں میں سما جاتا تھا جس طرف نظر اٹھتی تھی اُسی طرف فواروں کی ننھی ننھی پھواروں میں والان۔ برآمدے۔ کمانیں اور ستون قسم قسم کے درختوں سے شاداب اور رنگ برنگ کے پھولوں سے گلزار بنے ہوئے نظر آتے تھے۔

اس قصر کے ہر ایک گوشہ اور ہر ایک مکان میں پانی کثرت کے ساتھ اس حکمت سے

پھنچا یا گیا تھا کہ اوس پر ہر طرح کا قابو تھا یعنی حسب مرضی اور حسب خواہش اوسکو بلندی پر پھنچا سکتے اور پستی میں بھی لاسکتے تھے۔ جب چاہتے وہ نظر آنے لگتا اور جب چاہتے اُسکو نظرون سے غائب کر سکتے تھے۔

بعض وقت ایسا ہوتا تھا کہ پانی کا فوارہ بلند کر کے ہوا میں اس غرض سے چوڑا جاتا تھا کہ وہ بخارات کثیف جو ہوا میں اُڑتے پراکرتے ہیں وہ منتشر ہو کر نکل جائیں اور ہوا کی گرمی اور خشکی مبدل بہ تراوت و سردی ہو جائے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایوان میں پانی کی مستطیل اور سفید چادر چوڑی جاتی تھی کہ جس میں ارد گرد کی چیزیں اور آسمان کا نیلا نیلا مطلع سایہ فگن ہو کر عجیب غریب رونق اور دلکشی پیدا ہو جاتی تھی۔

ہر ایک کمرہ میں ہوا کے دود و جو کے ہمیشہ جاری و ساری رکھے جاتے تھے اور چیت کے قریب سبکی دیواروں میں اس غرض سے جہر کے رکھے گئے تھے کہ انکے ذریعہ سے وہ گرم گرم بادِ سموم کہ جسکو اندر کے حصہ کی خالص لطیف ہوا اپنے زور سے اوپر کو دفع کرتی رہتی تھی فوراً نکل جائے۔ دیواروں میں بجایا مٹی کے نل دوڑائے گئے تھے اور اُنکے ذریعے سے اُن بھٹیوں اور آتش افروزوں کی گرمی کہ جو جو زمین میں روشن کی جاتی تھیں صرف حماموں ہی میں نہیں بلکہ مکان کے ہر ایک حصہ میں کہ جہاں حرارت کی سیکدر ضرورت پڑتی تھی وہاں پھنچانی جاتی تھی۔

گو اُس قہرین دروازے کثرت سے کھلے ہوئے نہیں تھے لیکن جسقدر تھے نہایت فراخ اور وسیع تھے بہر آتش اُس حصہ کے کہ جہاں ایک نہایت ہی پُر فضا اور دلخیز

پہاڑی کی جانب تھا باقی قصر میں کٹر کیون اور جہر کے اس حکمت سے کہو لے گئے تھے کہ جن میں سوائے اندرونی منظر کے باہر کا منظر نظر نہیں آسکتا تھا۔ چنانچہ اس کی وجہ چند کمروں کے دروازوں کے کتبوں سے ظاہر ہوتی ہے کہ جن میں لکھا ہوا ہے "میں اپنی کٹر کیون میں صرف روشنی ہی کو داخل ہونے کی اجازت دیتا ہوں اور باہر کے منظر کو اس لئے اندر نہیں جانے دیتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بزمِ مخمّر کے حسینوں کا جبرٹ یعنی قدرتی چیزوں کا سامان لوگوں کو میری صنعتکاری کی خوبصورتی سے ہٹا کر اپنی طرف متوجہ کر لے۔

بارٹ لیٹ (Barthelme) کہتا ہے کہ ایک روز شب ماہتاب میں ہم ٹرگشت کرتے پرتے تھے کہ اسی موقع پر ہم نے قصرۃ الحمراء کی دلفریب خوبصورتی اور اس کی سحر کار بیان ملاحظہ کیں۔ یہ وہ کہتا ہے کہ اس وقت کا سامان بھی قابل دید تھا جو نوجوان ہم اس کی چرچرت درو دیوار کو حیرت اور تعجب کی نظر سے دیکھتے تھے تو ہماری آنکھوں کے سامنے اُن بڑے بڑے عمارتوں کی مجسم صورتیں پہنچ جاتی تھیں کہ جو اس قصر کے بانی اور مشاطہ کی طرح اس کو زینت و زینت دینے والے تھے اور اُن کے اگلے جاہ و جلال کا ایک نقشہ تھا کہ خود بخود دھارے صفحہ خیال پہنچتی چلا جاتا تھا۔ چاند کی چاندنی درختوں اور دیواروں کے سایہ سے ملکر عجیب لطف پیدا کر رہی تھی۔ سستان اور وسیع کمروں میں بلا کاٹا تھا۔

عربوں کے سرفراہ محل بد القالی کی نیند میں خواب عدم کا مزہ لوٹ رہے تھے۔ اور چاندنی کی زردی مائل چاندروں پر پڑی تھی اس کے قرب جوار میں ہکو و گیا (Wega)

کا وسیع منظر اور پہاڑی کے غیر منقطع سلسلے چاند کی تہہ چاندنی میں کچھ کچھ دکھائی دے
 رہے تھے۔ اسکے بعد اب ہم سوہاں بحیرہ روم کے ایک ذی وقار اور مستند مصنف کا قول
 بھی قصۃ الحجرات کے بیان میں بطور شہادت درج ذیل کرتے ہیں وہ کہتا ہے کہ موسم گرما کی
 آرام اور آب و ہوا کے لحاظ سے دنیا کے تختہ پر قصۃ الحجرات سے بڑھ کر کوئی اور جگہ نہیں
 مل سکتی میں نے وینڈر کیٹل (Wonders or castle) شاہان انگلینڈ کے آرام پانے
 کے بڑے بڑے مکلف کر دیکھے ہیں بعد تاریخ اور تفاوت قومیت پر نظر کرتے ہوئے
 یقیناً ہم کہہ سکتے ہیں کہ شاہی عرب زمانہ حال کے شاہان برطانیہ کے ہر قسم کے تکلفات
 اور آرائشات میں کسی طرح کم نہیں تھے اگر اب سے چار سو پانسو برس قبل قصۃ الحجرات کی آرائش
 اور فرنیچر ہم نظر کرتے ہیں تو اوہین صندل - اور زیت کی قیمتی کٹڑیاں - ہاتھی دانت اور
 درہائے شہوار کی پچھے کاریاں اور مینا کا کام - نرم نرم غلیچے قیمتی پردے اور عجیب
 غریب صنعتکاری کے بیشمار نمونے اور نہایت نادیکھل کھلونے متعدد حمام - اور ہزاروں
 طرح کے آرائشی سامان اور اس محل کے پہننے والے لوگ ریشمی لباس اور جڑاؤ زیورات
 سے آراستہ پراسۃ نظر آتے ہیں اور جب اسکے اس ترک و احتشام کے ساتھ سلطنت
 برطانیہ کے اس زمانہ کے بادشاہوں اور محلوں کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو ان دونوں میں
 کچھ بھی نسبت نہیں پائی جاتی۔

اس سے کچھ اور بھی قبل کے زمانہ پر اگر نظر پھرا کر دیکھا جائے تو وینڈر کیٹل میں گما سٹینس
 اور پیل کا فرش بچا ہوا نظر آتا ہے اور قصۃ الحجرات میں اسکے سنگ مرمر کے نہایت صفا

شفاف فرس پر اعلیٰ اعلیٰ قائلین اور غایہ لچے بچھے ہوئے ملتے ہیں۔ اسپین کی سلطنت اسلامیہ کا پایہ انگلستان اور یورپ کی عیسائی سلطنتوں سے صرف اتھیں باتوں میں برتر اور بلند نہیں بلکہ اوسمیں ایک اور بھی اعلیٰ درجہ کا تفوق اور امتیاز پایا جاتا ہے۔ اور وہ اس کا علم و فضل یعنی ادب حکمت الغرض ہر طرح کا کمال ہے چنانچہ دسویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کا اعلیٰ جاہ و جلال اس رتبہ کو پہونچ گیا تھا کہ سلطنت اسپین میں ایک مسلمان بادشاہ کی سرپرستی اور اشارہ سے چھ لاکھ کتا بون کا ایک کتب خانہ قائم ہو گیا تھا صرف قرطبہ میں مدارس کی تعداد شمار میں ۸۴ تھے اور یورپ کے مسیحی حصہ کے بڑے بڑے عالم و فاضل لوگ علمی جمعہ حاصل کرنے کے لئے عربوں کے مدارس میں طالب علمی کرتے نظر آتے تھے۔

قصہ مختصر قدامت کی کوئی چیز عربوں کے فضل و کمال سے برتر نہیں تھی عربوں کے مورخین فلاسفوں اور شعاعوں کی افراط شہرہ آفاق تھی اسی زمانہ میں خاندان سیکسن کا اخیر بادشاہ سریر انگلستان پر بیٹھا ہوا بقول مورخ ہیوم اون لوگوں کا حاکم اور فرمانبردار تھا کہ جو بالکل ناشایستہ اور غیر مہذب اور آلات و اوزار کے استعمال سے بالکل نامبلد اور گورنمنٹ و قانون کی اطاعت و متابعت سے روگردان تھے جبکہ انگلستان اور نیز تمام یورپ کی یہ حالت تھی اسی زمانہ میں نام خدا صرف ایک قرطبہ ہی اس شان و شوکت کا شہر تھا کہ اوسمیں چھ سو مساجد پائی جاتی تھیں اور قصر شاہی کیا تھا گویا ایک بڑا درگاہ تھا کہ جس میں تمام اقوام کے طلبہ کا جگہ لگا رہتا تھا اور بادشاہ یعنی خلیفہ وقت

بہ نفس نفیس اُنکے علمی مجالس اور مباحث میں فرط شوق کے ساتھ شرکت کرتا تھا اسکے
 کچھ زمانہ کے بعد جبکہ ایڈورڈ اول تخت انگلینڈ پر جلوہ گر ہوا تو صرف ایک شہر غرناطہ
 میں اسلامی کاجون کی شمار چاس تھی اور کل سلطنت اسپین میں ستر کتب خانوں
 سے کم نہیں تھے۔

یورپ کے مسیحی حصہ میں اس وقت بلحاظ علم و ثبات کی تاریکی چھائی ہوئی تھی قریل میں ہم
 دانش گنڈن اور نگ کی کتاب سے وہ مقام نقل کرتے ہیں۔
 جو تمام کتاب کی روح اور جان ہے وہ کتاب ہے کہ مجملہ عربوں کی قسمت پر تعجب آتا ہے
 کہ جبکہ وجود تاریخ اسپین میں ایک اعجوبہ تھا۔ عرب کے دور دراز ممالک کا سیلاب یورپ
 کے سوا حل پر کار نکرایا۔ عربوں نے جبل الطارق سے لیکر پی ری تیر تک جو فتح حاصل کی
 تھی وہ سرعت اور عظمت میں فتح نصر اور فتح شام سے کی سطح کم نہیں تھی بلکہ اگر وہ اُس مرتبہ
 طورس پر روکنے سے جتا تو فرانس کیا تمام یورپ ہی اُنکے قبضہ اختیار میں آگیا ہوتا اور
 آج اسلامی ہلال قسطنطنیہ کی طرح پیرس اور لندن میں تابان نظر آتا۔

اگر اسپین میں قرطبہ کی مسجد۔ سویل کا القصر۔ غرناطہ کا قصر الاحمر اسلامی یادگارین
 ہوئے کیوجہ سے اپنی گذشتہ سطوت اور عظمت کا دعویٰ کرتی ہیں تو حق بجانب ہے
 حیرت اور تعجب کا کوئی مقام نہیں کیے بعد دیگرے صد ہا نسلیں اور کتنی ہی صدیاں گذر
 چکی ہیں اور یہ عمارتیں استقلال کے ساتھ دست برد زمانہ کے حلون سے بچتی ہوئی اُسی
 سطح زمین پر اب تک قابض و مسلط کھڑی ہیں کہ جبرائیل کے بانویں نے اُنکو قائم کیا تھا۔

موسیٰ اور طارق کی اولاد کو شاید کبھی اس بات کا خیال بھی نہ گذرا ہوگا کہ جس آہنا کو عبور کر کے ہمارے بزرگ اسپین میں آئے تھے اسکے ذریعہ سے ہمارے خانان ہو کر نکلتا پڑ گیا۔ جیسا کہ ولیم اور راول کی اولاد کو کبھی خواب میں بھی یہ وہم نہیں گذرا تھا کہ ہمارے نارمنڈی کے سواحل پر پہرہاگ کر جانا اور پتاہ گزین ہونا ہے۔

سچ تو یوں ہے کہ جیسی تباہی اسپین کے عربوں پر آئی ہے ایسی شاید کسی قوم پر آئی ہو۔ آہ اب وہ لوگ کہاں ہیں۔ اس سوال کا جواب اگر کچھ دیکھتے ہیں تو سوال بربر یا اسکے وسیع اور ویرانہ جنگل ہی دیکھتے ہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ جو قوم ایک زمانہ میں اس سطوت اور جبروت کے ساتھ اسپین میں حکومت کرتی تھی اب زوال سلطنت پر افریقہ کے وحشی لوگوں میں رمل ٹکرا اپنی قومی خصوصیت کو کھو بیٹھے۔ جو قوم آٹھ صدیوں تک دنیا بھر میں ممتاز اور مغتر رہی ہے اب اسکا یہ حال ہے کہ بڑے نام بھی اسکی کوئی تمیز باقی نہیں۔ ہاں چند ٹوٹی پھوٹی عمارتیں ہیں کہ جو عربوں کے گذشتہ جاہ و جلال اور مال و منال کی کٹری شہادت دے رہی ہیں۔ اونہیں میں سے ایک عمارت قصر الاحمر بھی ہے کہ جو صحیحی زمین پر بطور مسلمانوں کی یادگار دکھائی دیتی ہے۔ یہ ایک شرقی طرز کی عمارت ہے کہ جو مغربی ممالک میں گاتھک عمارتوں کے درمیان عجیب غریب معلوم ہوتی ہے۔ آہ! یہ اسپین میں ان بہادر اور دلیر لوگوں کی یادگار ہے کہ جو فاتح بن کر آئے حاکم بن کر رہے اور سایہ کی طرح گذر گئے!!!

المسجد فی القرطبہ

فتح اسپین کے بعد مسلمانوں کی دار الخلافۃ بننے کی اول اول عورت قرطبہ کو چل ہوئی
 ہے مسلمانوں کے زیر حکومت رہ کر اسلام کے پر تو سے جو اسکو عزت اور شہرت نصیب
 ہوئی تھی شاید وہ اسکو کبھی نصیب نہ ہو مسلمانوں کی مشہور فراخ دلی اور سلمہ ملیند جو صلگی
 نے اپنے عروج کے زمانہ میں اسکو اس رتبہ پہنچا دیا تھا کہ دنیا کی کسی سلطنت میں کوئی
 شہر اسکے ہم مثل یا ہم رتبہ نہیں دیکھا جاتا تھا جسوقت اسلام یورپ میں برقی طاقت سے
 پھیلتا جا رہا تھا۔ اسوقت قرطبہ میں سولہ سو مسجدیں شان و شوکت کے ساتھ کھڑی اسلام
 کی رونق کو ظاہر کر رہی تھیں اور دس لاکھ آدمی تھے کہ جو پانچون وقت موزن کی درونک
 اور پرتا تیر آواز پر کان لگا دے رہتے تھے۔ اسکے گزشتہ جاہ و جلال اور وارفتہ شان و
 شکوہ کی شہادت دینے کو ابھی تک اسکا وہ وسیع میدان موجود ہے کہ جو ایک دو درواز
 تک پہنچتی ہوئی چار دیواری میں محدود ہے اور اثبات شہادت کے لئے چند ویران باغ
 کہیں کہیں کجورون کے جھنڈ اور ایک عالیشان مسجد کے نشانات پیش کر رہا ہے۔
 یہ مسجد باعتبار صنعت و معاری اور وسعت اپنی آپ ہی نظیر تھی اور عجائبات دنیا میں سے
 شمار کیجاتی تھی۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اسکے عالی حوصلہ اور فیاض بانی نے اپنی فیاضی کو
 سے زیادہ اس مسجد ہی کی تعمیر میں صرف کیا تھا۔

دنیا کے جس حصہ پر اُس نے نامور صنائع سے فراخ دلی اور حسرتی کے ساتھ ادب نہیں کو
اُس نے بلایا اور جب دیکھا اُن سے مسجد کی عمارت کا کام لیا۔

اس نامی گرامی مسجد کا کام مشتمل ہے زمین شرف کیا گیا تھا۔ اس مبارک عمارت کے لئے وہ
جگہ پسند کی گئی تھی کہ جو کس قدر مرتفع وسیع لیکن اُس کے ساتھ ہی وسیع درنا ہوا بھی تھی۔ اُس کی
ایک جانب دریائے گوڈالگویر (Gudalgur) کے کنارے تک بھٹی ہوئی
تھی۔ موجودہ حالت میں اس کا بیرونی نظریہ ایسا کچھ تعجب اور حیرت برین ڈالنے والا نہیں
ہے وہ دور تک چاروں طرف گلی کو چون سے محصور ہے لیکن اگر کوئی اجنبی شخص اُس کے
اُنیس عالیشان دروازوں میں سے کسی ایک دروازہ میں کھڑا ہو کر اُس کے اندر دینی نظر
کی طرف نظر کرتا ہے تو وہ اُس کے بیشمار ستونوں کو جو بھول بھلیان کے طور پر کھڑے کئے
گئے ہیں دیکھ کر حیران اور دنگ رہ جاتا ہے جس طرف اُس کی نظر پڑتی ہے اُسی طرف اُس کو
ستونوں کی قطار کی قطار نظر آتی ہے اگر دیکھنے والا ستونوں کو شمار کر کے ادنیٰ صحیح صحیح
تعداد معلوم کرنا چاہے تو یہ اُس کی طاقت سے باہر ہے۔

الغرض ستونوں کی ایسی نادر اور حیرت انگیز ترتیب ہے کہ اُس کی وجہ سے دیکھنے والے کی
آنکھوں کے سامنے ہمیشہ بدلتے ہوئے اور تعجب نیشیں رہتے ہیں۔ قرطبہ کی وہ مقدس
زمین کہ جس کو خانہ خدا بننے کی عورت اور فخر حاصل ہوا تھا وہ ایک بہت وسیع مربع قطع تھا
اُس کے نہایت عالیشان سترو دروازہ تھے اور وہ سب کے سب اعلیٰ صنائع کے پتیل کے

بزوں سے چڑے ہوئے تھے۔ اس سجدہ کے ستون تعمیر کرنے میں مہارون نے
 اپنی اعلیٰ صناعی دکانی تھی۔ ان ستونوں کی انیس قطاریں ہیں کہ جو شمال سے جنوب
 و بالکل ایک سیدھے خط میں چلی گئی ہیں۔

وہ کچھ ایسی ناد صنعت کے ساتھ ایک دوسرے سے فاصلہ پر ایسا وہ کئے گئے
 ہیں کہ اگر دیکھنے والا انکو جانب شرق کھڑے ہو کر غرب رو یہ دیکھے تو وہی انیس قطاریں
 سکو شمار میں پستیں نظر آئے لگتی ہیں۔ قطاروں سے قطع نظر کے ستونوں کی ٹھیک
 ٹھیک شمار کسی سے نہیں ہو سکتی جن میں سیاحوں کو اسکی زیارت سے مشرف ہونے کا
 اتفاق ہوا ہے وہ بھی ستونوں کی تعداد کے بارے میں مختلف ارے ہیں چنانچہ انکی
 خدا کسی نے چار سو اور کسی نے چودہ سو بیان کی ہے۔

ایک معتبر عربی مورخ اپنی مستند تاریخ میں اس عظیم الشان مسجد کا نوٹوارن لفظوں میں اُتارتا
 ہے کہ عالی رفعت مسجد بلحاظ اپنے طرز عمارت اور شان و شکوہ کے ممالک مغربیہ میں تو
 بے نظیر تھی ہی لیکن ممالک مشرقیہ میں بھی کوئی اسلامی سلطنت اسکی شبیہ یا ہم قیاس مسجد
 نہیں پیش کر سکتی یا پندان مذہب اسلام کے خیر مقدم کے لئے اس میں بڑے بڑے انیس
 پہاٹک کھلے ہوئے تھے جنہیں سے صدر پہاٹک تمام و کمال مطلقاً دروازوں سے
 میر تک برابر برابر انیس صفیں چلی گئی تھیں۔ ان صفوں کے ادھر ادھر مختلف اجمار کے ستون
 اعلیٰ درجہ کی صنعت کے نقش و نگار سے آراستہ و پیراستہ کھڑے ہوئے مسجد کے سن کو
 اجمار ہے تھے ان صفوں کو قاطع کرتی ہوئیں شرق سے غرب کو انیس صفیں اور گئیں

تھیں اور ان ہر ایک میں نو نو دروازے کھلے ہوئے تھے۔ یہ ستون شمار میں لکھنا
 ترانو سے تھے۔ اگرچہ جس کے قول کے موافق اسکے اُس منار کی بلندی کہ جیسے چڑھ کر
 سوزن ازان دیا کرتا تادوسو چالیس فٹ تھی سب گنبدوں میں جو سربلند گنبد تھا اُسکی
 چوٹی پزیرین طلائی کُٹے اور اُن پر قرینہ کے ساتھ ایک طلائی اناریہ سب آفتاب کے
 شمعوں میں چمک چمک کر اسلامی جاہ و ثروت کو ظاہر کر رہے تھے رات کی وقت مسجد
 میں چار ہزار سات سو بار وفاتوس روشن ہوتے تھے جنہیں سالانہ پوبیس ہزار رطل
 تیل صرف ہوتا تھا مسجد کو معطر کرنے کی غرض سے عود و لوبان اس کثرت سے پہنکا
 جاتا تھا کہ اُسکی سالانہ مقدار بھی ایک سو بیس رطل سے کم نہیں ہوتی تھی۔

ستون جھاکار زمانہ کے دست برد سے بچتے بچتے اب شمار میں صرف چھ سو تیس رہ گئے
 ہیں جنہیں سے کچھ تو سنگ مرمر اور کچھ سنگ موتی اور کچھ اور دوسرے نہایت قیمتی
 قیمتی اجار سے تراشکر اور رنگ برنگ کی گلکاری سے سجاکر مسجد کی زیب و زینت
 کے لئے کھڑے کئے گئے ہیں۔

اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو کسی طرح اُس کثیر رقم کا اندازہ نہیں ہو سکتا کہ جو
 اُسکی تعمیر میں صرف ہوئی تھی۔ علی الخصوص ستونوں کی وہ قطاریں کہ جو نمازیوں کی طرح
 مسجد میں صف باندھے کھڑے ہیں وہ ایسی خوشنما اور پر لطف ہیں کہ دیکھنے سے تعلق
 رکھتی ہیں جب قدر دیکھنے والا فردا فردا ستون کی خوبصورتی اور زراکت کو دیکھ کر تعجب
 حیران ہوتا ہے اُسیقہ اور سکوانکی مجموعی تعداد کو دیکھ کر حیران ہونا پڑتا ہے۔

مسجد میں ہر وقت ایک سنجیدہ آدمی کی طرح سکوت طاری رہتا ہے اور ہلکی ہلکی تاریکی چھائی ہوئی رہتی ہے۔ کمین کہیں روشندان اور جہرہ کے کھلے ہوئے ہیں کہ جنہیں سے آفتاب کی دھیمی دھیمی روشنی پھنپھتی رہتی ہے۔ مسجد کی سقف چوبیس بھی بلحاظ ساخت اسکی اور دوسری عجیب صنعتوں سے کچھ کم حیرت ناک نہیں ہے۔ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں دریائے اُس کنارہ پر ایک بڑا لٹ و دو ق جنگل تھا مسجد کی تعمیر میں جس قدر لکڑیاں صرف میں آئیں ہیں وہ اسی جنگل میں سے لائی گئی تھیں۔ غرض اس کثرت سے مسجد میں لکڑیاں صرف ہوئی ہیں کہ اب اس بادیہ بے پایاں کا نشان تک باقی نہیں ہے۔

اُن لکڑیوں کو کچھ ایسے مصالحہ نے دیکھا استعمال میں لایا گیا تھا کہ ابھی تک وہ اُسی طرح پر ہیں اور میں کمین بھی بوسیدگی یا شکستگی کے آثار نہیں پائے جاتے۔ یہ قدرتی اسباب تھے کہ مسجد کے لئے ایک خاص قسم کی صنوبر کی لکڑی ہاتھ لگ گئی کہ جس میں ایک عجیب طرح کی جھلک آتی ہے جو اور دوسرے ملک کے صنوبر میں نہیں پائی جاتی۔ شہتیر اور کڑیاں قسم قسم کے نقش نگار سے آراستہ و پیراستہ کی گئی ہیں جہاں کمین دیواریں زمانہ کے منحوس ہاتھ سے محفوظ اور اپنی اصلی حالت پر برقرار ہیں وہاں جا بجا مقدس قرآن کی دلکش آیتیں گلکاری میں لکھی ہوئی دیکھنے والوں کو اس زمانہ کی نقاشی کی داد دینے پر مجبور کر رہی ہیں۔

”عبادت خانہ“ نبوی باعتبار خوبصورتی مسجد کے اور دوسرے قطعوں سے کمین زیادہ

دلا دینا ہے۔ علاوہ اسکے تین اور قطعات ہیں کہ جو خاص مسجد کی عمارت سے سنگ مٹی اور سنگ مرمر کے ستونوں کے ذریعہ سے علیحدہ کئے گئے ہیں اور مین سے جو قطعہ وسط میں واقع ہے وہ بلحاظ وسعت و رفعت و فضا دیکھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے اسکی دیوار میں ایک کمان کھلی ہوئی ہے کہ جس میں اگر گدڑ مسجد کے اندر دینی حصہ میں داخل ہونا ہوتا ہے۔ اس کمان پر سبز ٹسیاہ اور سُرخ شمع رنگوں کے پتھروں اور بلور کا کام کیا گیا ہے۔ اور اسکی پیشانی پر سونے کے حرفوں میں جلی قلم سے قرآن مطہر کی مبارک اور مقدس آیتیں لکھی ہوئی ہیں۔ اس کمان کے اوپر ایک بلند دیوار کھڑی کی گئی ہے۔ کہ جو کمان سے اوٹھ کر چیت کو چھو آتی ہے۔ اس پر مٹلا نقش و نگار کر کے اسکو نظر فریب صورت بنایا گیا ہے۔ اس میں جابجا روشندان اور جہرہ کے رکھے گئے ہیں کہ جبکہ ذریعہ سے ہوا اور ہلکی ہلکی روشنی اندر کے حصہ میں بھنپتی رہتی ہے اس کمان کے اندر ایک مشن حجرہ کہ جو بلندی اور وسعت میں پندرہ فٹ ہی تعمیر کیا گیا ہے اور اسکی دیواروں میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر کمان اور ستون بنائے گئے ہیں۔ اور اسکی چیت صاف و شفاف سنگ مرمر کے ایک ٹکڑے سے تراشی گئی ہے۔

یہ حجرہ مقصورہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور اس میں صرف قرآن شریف رکھے جاتے تھے۔ جو وقت اس میں چاندی کا بیش قیمت اور بہت بڑا جہاز کہ جو اسکی چیت کے وسط میں لٹکا ہوا تھا وہ روشن کیا جاتا تھا۔ اسوقت اسکی دل فریب خوبصورتی اسکو

بڑھی ہوئی ہوتی تھی کہ اسکے مقابلہ میں ہمارے خیال میں کوئی ایشیائی ٹیپ ٹاپ بھی نہیں سما سکتی تھی۔ مسجد کے متعلق ایک چمن بھی تھا جس میں اکثر انگلی اور چکوترے کی درخت تھے اس کا عالیشان دروازہ باسٹھ ستونوں پر قائم کیا گیا تھا۔

اس میں ایک لمبا چوڑا حوض بنا ہوا تھا کہ جس سے درختوں کو پانی دیا جاتا تھا۔ حوض کے علاوہ چند چشمے اور فوارے بھی آبپاری کو موجود تھے چشموں کا فرش سنگ مرمر سے بنا ہوا تھا۔ سفید سفید سنگ مرمر پر پانی کی صاف شفاف دھارا نکلوانے میں عجیب لطف پیدا کرتی تھی۔ اور ان میں طلائی اور نقرئی مچھلیاں عجیب میں کھلاتی رہتی تھیں مسجد کا صدر دروازہ اسی چمن میں کھلا ہوا تھا۔

غازی لوگ چمن میں سے وضو کر کے اس دروازہ میں رہنہ پا داخل ہوتے تھے۔ اس دروازہ کے مقابل چمن میں داخل ہونے کے لئے بھی ایک عالیشان کمان بنی ہوئی تھی کہ جو بلندی میں تیس فٹ اور عرض میں پندرہ فٹ تھی یہ ”باب الغفو“ کے دیکش لقب سے مشہور تھی کمان کی پیشانی پر چلی قلم سے قرآن پاک کی یہ آیت مبارک لکھی ہوئی تھی۔

”بَايِعُوا الدِّينَ اَمْنًا لَا يَغْنَبُ الصَّلَاةَ وَانْتُمْ مُسْلِمُونَ“ اور اس کمان پر ایک مربع بنار تین سو فٹ کے قریب بلند ایسا دہ کیا گیا تھا۔ جو دور و دور تک قرطبہ میں اسلام کا اثر ظاہر کر رہا تھا۔ زمانہ کے اولٹ پیر سے جب اسپین کی سلطنت تہ دہلا ہوئی تھی اس وقت وہاں کے فرمانروا مسیحی سلطنت نے چارلس پنجم کے زمانہ میں اس مسجد

کو کلیسا قرار دے کر بجائے توحید کے تثلیث کا پہرہ باندھ دیا اور بجائے مہر کے
کوڑ (Choin) قائم کیا۔

کچھ بھی ہو مگر عام طور پر اب تک یہ عمارت مسجد کے پرانے لقب سے ہی یاد کی جاتی ہے۔
آہ کسی نے کیا دل خراش شعر کہا ہے ۵

بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے

زمین چین گل کہلاتی ہے کیا کیا



قصۃ الزہرہ



مصافات قریہ میں دریاے وادی الکبیر کے کنارہ خلیفہ عبدالرحمن ثالث نے اپنی
بہن ابرہہ کی فرمائش سے قصۃ الزہرہ اور مدینۃ الزہرہ بڑے شوق و
وق کے ساتھ تعمیر کرائے تھے۔

بیس میدان میں یہ عظیم المثل عمارتیں اٹھائی گئیں تھیں وہ جبل العروس کے دامن
بن کو سون تک پہنچا ہوا اپنی سرسبز اور شادابی کی بہار دکھلا رہا تھا۔ قصۃ الزہرہ
لی بنیاد خلیفہ عبدالرحمن ناصر الدین الدک کے ہاتھ سے ۳۲۵ھ میں پڑی تھی۔
عبدالرحمن نے اس تعمیر میں اپنی فراخ دلی اور عالی حوصلگی سے یہاں تک کام لیا تھا
کہ ہر سال وہ اپنی کل آمدنی کا ایک ثلث حصہ اس میں صرف کر دیتا تھا۔ قصر کے گرد
دوسرے متعلقین اور درباری لوگوں کی ضرورت سے مدینۃ الزہرہ کی عمارتیں بنائی
گئیں تھیں۔ قصۃ الزہرہ اور مدینۃ الزہرہ کی عمارتوں کی تعمیر چالیس برس کے عرصہ میں ہوئی تھی
جس میں پہلے پچیس سال تو عبدالرحمن کی عہد حکومت کے تھے اور باقی پندرہ سال
اسکے بیٹے حکم نے اپنے زمانہ حکمرانی سے اسکی تندرکے تھے۔ اس تعمیر کے کام میں
دس ہزار مزدور دن کی روزانہ مدد لگی رہتی تھی۔

ہر روز چھ ہزار پتھر گڑاؤ ترش کر تعمیر میں صرف ہوتے تھے۔ تین ہزار کے قریب بار برداری کے جانور تعمیر کے موقع پر مصالح بہم پہنچانے کی غرض سے روزمرہ کام دیتے تھے۔ اس عالیشان عمارت میں چار ہزار ستون نصب کئے گئے تھے کہ چوہنشاہ قسطنطیہ یاروم کا رتھجہ سفاکس اور نیز دوسرے مقامات سے خلیفہ کی خدمت میں بطور تحفہ حاضر کئے گئے تھے۔

ٹانگو نہ اور المیرہ کے معاون سے جو سنگ مرمر کی سلیں ترشکرتونون کے کام میں لائی جاتی تھیں اون کی تعداد علیحدہ تھی پندرہ ہزار آہنی دروازے کہ جن پر پتیل کی چادریں چڑھی ہوئی تھیں جا بجا لگائے گئے تھے۔

قصر الزہرہ میں خلیفہ کے خاص کمرے میں کہ ”جو مونس“ کے نام سے ملقب تھا تمام درود و یار یہاں تک کہ چیت بھی سنگ مرمر ہی سے بنائی گئی تھی اور اس پر جا بجا طلائی کام کیا گیا تھا اس کمرے کے وسط میں وہ عجیب و غریب فوارہ بھی نصب تھا کہ جو شہنشاہ یونان نے مع ایک نئے نظیر اور بیش بہا موتی کے خلیفہ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کر کے کیا تھا۔

علاوہ ازیں اسی ہال کے بیچون بیچ ایک چھوٹی سی حوض بھی بنی ہوئی تھی کہ جس میں پارہ بہرا ہوا تھا۔ اسکے دونوں جانب آٹھ دروازے کھلے ہوئے تھے کہ جو ہاتھی دانت اور آبنوسی لکڑی سے بنائے گئے تھے اور جواہرات کے جڑے جڑے جاننے سے آسمان کے ستاروں کی طرح جگمگاتے تھے جب سورج کی شعاعیں دروازوں سے

گذر کی سیاب کے حوض پر پڑتی تھیں تو سیاب میں سورج کی چمک ایسی جھلکتی تھی کہ اس سے بجلی کی ترپ اور کوند کا سامان آنکھوں میں پر جاتا تھا اس کی بجلی تمام کہ کو بقیہ نور بنا دیتی تھی یہاں تک کہ حاضرین دربار کی آنکھیں اس قہر پر پھینک کر کہیں کھلی نہیں رہ سکتی تھیں ایک عربی مورخ کہتا ہے کہ ”اگر ہم مدینۃ الزہرہ کی صرف قدرتی اور معمولی خوبصورتیاں اور دلاویزیاں بھی شمار کر فیٹھیں تو اون کے بیان اور شمار کرنے کے لئے ایک بہت بڑا دفتر چاہئے۔“

ایک دوسرا مورخ اسی کا ہزر بان ہو کر کہتا ہے کہ مدینۃ الزہرہ میں حاحون کے رہنے کے لئے سرسبز اور شاداب باغوں میں نہایت شاندار عمارتیں بنی ہوئی تھیں کہ جن میں صاف اور شفاف پانی کے چشمے روان اور دو ان رہتے تھے سلطنت کے اراکین اور اعلیٰ عہدہ داروں کی سکونت کے لئے بڑے بڑے قصر اور محل نہایت آراستہ اور پیراستہ رہتے تھے۔ سپاہ اور خداموں کے غول کے غول کہ جو مختلف اقوام اور مختلف مذاہب کے ہوتے تھے بیشی لباس زیب تن کے مدینۃ الزہرہ کی وسیع اور فراخ سڑکوں پر چلتے پرتے نظر آتے تھے۔ اور قصر شاہی کے بڑے عالی عالیشان کمروں میں علمدار دین قاضیوں مفتیوں۔ اور شاعروں کا گروہ کا گروہ ایک موزون اور مناسبتات کے ساتھ ٹلنا دکھائی دیتا تھا۔ قصر الزہرہ میں خدامان ذکر کی تعداد تیرہ ہزار ساٹھ ہے سات سو موجود تھی کہ جنکو علاوہ مچلی اور طیور کے گوشت کے روزانہ تیرہ ہزار ٹل گوشت کا راتب ملتا تھا۔ خلیفہ کے محاصرے میں مختلف مارج اور مراتب کے عورتوں کی شمار چہ ہزار

تین سو چودہ تھی غلاموں خادموں اور خواجہ سراؤں کی کل تعداد تین ہزار ساڑھے تین سو تھی جنہیں علی حسب مراتب روزانہ تیرہ ہزار ٹل گوشت بطور راتب تقسیم ہوتا تھا۔ پہلی تینتر۔ بیئر۔ اور دوسرے طیور کا گوشت اسکے علاوہ تھا۔ قصر الزہرہ کے خوشنما حوض میں جو چمیلیاں پلی ہوئی تھیں اونکو روزانہ بارہ ہزار روٹیوں کا راتب مقرر تھا۔ اور راش کے چھ لبر نیمائے جو انکے لئے حوض میں ڈالے جاتے تھے وہ علیحدہ رہے۔ متذکرہ بالا حالات اور نیز دوسری حیرت افزا کیفیتیں بڑی بڑی تاریخوں اور سوت کے فصحا کی تقریروں اور شاعروں کی نظموں میں تفصیل کے ساتھ بہری پڑی ہیں۔ ہم نے جو کچھ اس موقع پر بیان کیا وہ مشتمل نمونہ از خزوا ہے۔ قصہ قصصہ کہ جسے قصر الزہرہ اور قصر الزہرہ کو ایک مرتبہ بھی دیکھا ہے وہ اس بات کا معقوف ہو گیا ہے کہ فی زمانہ اسلامی دنیا ان عمارتوں کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

مالک دُور و دراز کے سیاح منچلے اور جوان طبیعت شہزادے دولتہائے غیر کے سفیر گروہ فقہا جماعتہ شعرا اور قافلہ حجاج الغرض ہر ایک درجہ کے پیشہ والے اور جملہ مذاہب کے لوگ ایک زبان ہو کر اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ ہماری نظر سے آج تک دنیا کی کسی حصہ میں ایسا عجیب و غریب شہر اور ایسا شاندار اور عالیشان قصر نہیں گذرا۔

انگلستان کی صنعتِ حرفت

کاتارنجی حال



انگلینڈ یا انگلستان جو فی زمانہ صنعت و حرفت کے لحاظ سے مہذب اور غیر مہذب دونوں ملکوں میں کیانِ عزت کے ساتھ مشہور ہے۔ وہ صنعتِ حرفت کی تدبیریں سوچنے میں سبکدوش کی طرح ہمیشہ سے ممتاز نہیں رہا ہے۔ ان دوسرے ملکوں کی طرح کہ جہاں کسی کام کے شروع شروع میں بہت سی فرحتیں اور رکاوٹیں پیش آتی رہتی ہیں۔ انگلستان کو بھی اپنی موجودہ روش اختیار کرنے کے آغاز میں بہت سی فرحتیں اور دقتیں اٹھانی پڑی ہیں۔

لیکن آخر میں انگلستان نے بھی اُن ملکوں کی طرح ہدایت پائی کہ جو دقتیں اور مشکلات اٹھانے کے بعد اپنی ترقی کی معراج کو پہونچا کرتے ہیں۔ اور شدہ شدہ انگلستان نے وہ قابلِ رشک ترقی کی کہ اسکے ادِ ازل زمانے کے دوسرے حریف اسکو حیرت اور استعجاب کی نظر سے دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ گئے۔

انگلستان کو جو شکسپیر اور نیوٹن جیسے قابل اور فاضل شخصوں کو پیدا کر کے اپنی

۱۵ ویں شکسپیر - انگلستان کا سب سے زیادہ مشہور و ممتاز ڈراما نویس شاعر تھا۔ ۲۳ - اپریل ۱۵۶۴ء کو بوقلم
اسٹرا فورڈ ایک مذاق یا تھباب کے گھر پیدا ہوا۔ اوس نے اپنی بستی کے ایک چھوٹے سے خیراتی اسکول میں
کسی قدر تعلیم پائی تھی۔ اتفاقات زمانہ سے اسکو ادراول عمر ہی میں اسکول چھوڑنا پڑا۔ اسکول چھوڑنے کے بعد
سوائے توڑی سی لاطینی زبان حاصل کرنے کے اُس نے اور کچھ زیادہ تعلیم نہیں پائی۔ اس وقت وہ ایک نہایت
نامہور اور ارجح لڑکا تھا۔ ایک مرتبہ اوس نے کسی لایک کا ہرن چڑایا اور جب اُس نے اُس سے دارو گیر کی تو اپنے
انکی ہجو لکھ کر اپنے دل کے سپرے توڑے اور لندن بہاگ گئے۔ بیان سنیکر وہ تھوڑے کے اکثر دن سے ملا اور خود
بھی اکثر ہنگیا۔ اس عرصہ میں اُس نے اپنے طبع ادبیت سے ڈراما لکھے جو اسکی اعلیٰ شہرت کے باعث ہوئے اور بالآخر
۵۳ سال کی عمر میں تاریخ ۲۳ - اپریل ۱۶۱۶ء کو فوت ہوا۔ ۱۲

۱۵ سرائحق نیوٹن متاخرین میں سب سے زیادہ مشہور فلاسفر و مهندس۔ اور ماہر علم طبیعت گذرا ہی۔ بھقام دوستہ ۱۶۴۲ء
کو پیدا ہوا تھا۔ کیرج میں تعلیم پانچ سال کی عمر میں بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ اور دو درجہ میں مہر و فن
ہوا۔ تسلسل کا قاعدہ دریافت کیا اور زمین کی کشش ایک سید کے گرنے سے معلوم کی ۱۶۶۶ء میں یونیورسٹی کیرج
کا فیلو مقرر ہوا اور جب ہی ایم اے کی ڈگری حاصل کی ۱۶۶۹ء میں وہ پروفیسر ریاضی ہوا اور زبان لاطینی
میں اُس نے علم مرا یا پر حقائق لکھ کر دئے ۱۶۸۷ء میں رائل سوسائٹی کے عالم و فاضل ممبروں کے سامنے اوس نے کوشش
اور انوان کی نسبت اپنی تحقیق ظاہر کی۔ اور اپنی ایجاد کی ہوئی دو درجہ میں سے اپنے بیانات کا مشاہدہ کرایا۔ بعدہ وہ
ممبر پارلیمنٹ منتخب ہوا ۱۶۸۸ء میں رائل سوسائٹی کا صدر منتخب بنایا گیا ۱۶۹۹ء میں پیرس کے دار الحکومت کا ممبر منتخب ہوا اور
۱۷۰۵ء میں ملکہ ان کے حضور سے نائٹ ہونے کا خطاب سے سرفراز کیا گیا۔ جسطرح یہ عالمی یار فلاسفر تھا اسی طرح اسکولعیات
میں بھی بڑا علوت تھا اسکے حالات پڑھ کر انکی کے اُن فلاسفوں کو عبرت پکڑنی چاہئے کہ جو مذہب کو فلسفہ کے سرحد سے
کر بیٹھتے ہیں اُسکا مقلد تھا کہ ”مے سامنے صد اقدون کا ایک سمندر ہے۔ بیان موصیہ مار رہا ہے اور میں اپنے نیکو
انکے سامنے نہایت ہی حق پاتا ہوں“ ۲۰ - مارچ ۱۷۲۷ء کو اُس نے انتقال کیا اور دیسٹ منسٹر می میں دفن ہوا۔ ۱۲

مردم خیر نی پر کچھ تھوڑا سا غرور اور اپنے قوانین و آئین پر ذرا سا فخر ہے۔ اُسکے تسلیم کرنے میں تو اور دوسری قومیں کچھ تامل بھی کرتی ہیں لیکن اُسکی صنعت و حرفت کے لحاظ سے وہ ہی قومیں اُسکی عظمت کا اقرار کر کے اُسکو عزت و فخر کے شہ نشین پر چکھ دیتی ہیں۔

انگلستان نے جب صنعت و حرفت کے میدان میں اول اول قدم رکھا ہی تو اُسکے ہم قدم اور بھی بہت سی دوسری قومیں تھیں۔ اور اطالیہ والے ہوئے یا جرمن والے فلیمش اور بعض اعتبار سے ڈچ لوگ بھی یہ سب کے سب تو اُس میدان میں اُسکے پیش رو تھے۔ بہت ہی ابتدائی زمانے میں اگر سچ پوچھئے تو انگلستان کو نہ تو تجارت سے کسی طرح کی شہرت اور نہ صنعت و حرفت کے کارخانوں سے کسی قسم کی رونق نصیب تھی مگر اُس پر بھی تیسری صدی عیسوی کے اخیر میں رومن لوگوں نے بہ نسبت فرانس کے انگلستان کے سرشت میں میکینکل صنعت و حرفت کی قابلیت کا بہت کچھ اندازہ کیا تھا۔ اور اتمہ اوزمانہ کے ساتھ بعض ضرورتوں کے لحاظ سے اُسکی میکینکل قوت میں تھوڑی یا بہت کچھ نہ کچھ تحریک ہوتی بھی رہی لیکن پہر بھی ^{۱۵}افرد اعظم کے زمانے

۱۵۹۰ء میں پیدا ہوا نہایت رحمدل خوش تدبیر اور علم و دست و ہنر پرور بادشاہ تھا۔ انگلستان میں فنِ جہاز رانی کا آغاز اسی کے عہد سے ہوا۔ شمال و شرق کی کلاہ دریافت کرنے کے لئے سب سے پہلے اسی نے جہاز روانہ کیا تھا۔ اُس نے اپنے اوقات کو تین مساوی حصوں پر اربع تقسیم کیا تھا کہ ایک حصہ عبادتِ الہی کے لئے اور دوسرا حکمرانی کے لئے اور تیسرا آرامِ اپنے کے لئے اُسکی آمدنی بھی دو مساوی حصوں پر منقسم تھی۔ ایک حصہ تو وہ مذہبی امور میں صرف کرتا اور دوسرا انتظامِ مملکت وغیرہ میں نہایت عین اور سنے وفات پائی۔ ۱۱

تک اوسمین اتنی قدرت اور طاقت تھیں تھی کہ وہ اپنے تمام اغراض میں سیکھیل
قوت کو کام میں لاسکتا۔

۱۔ افراطِ غلہ کے بہت زمانہ بعد تک کی جو انگلستان کی تجارت اور صنعت و حرفت کی
تاریخیں لکھی گئی ہیں۔ اُن میں سولے اسکے کہ تجارت اور صنعت و حرفت کے
 لحاظ سے انگلستان کا پیچھے ہی رہنا پایا جاتا ہے اور کوئی عمدہ حالت نظر نہیں آتی۔
البتہ تیرہویں صدی اگر کسی قدر فخر کر سکتی ہے تو وہ ناروے اور فلینڈرس کے ساتھ
تجارتی عہد نامے لکھے جانے۔ کتان کے کارخانے قائم ہونے۔ گنج یا آئرن سٹی کانین
کھلنے اور فولادی اشیاء کے تاجر فراہم ہونے پر کر سکتی ہے۔ لیکن یہ سب باتیں اسقدر
نا کافی تھیں کہ اُس قوم کی آئندہ صنعت و حرفت کی ترقی کی نیک فال ہونے سے بھی
بُور تھیں۔ کیونکہ بڑے بڑے کاروبار ب غیر ملک کے لوگوں کے ہاتھ میں تھے
انگلستان کی دارالطرب کے انتظام کے اعتبار سے تو وہاں گویا اطالیہ والوں کا سک
ہی بیٹھا ہوا تھا۔ بلاشبہ اس صدی کے مقابلے میں چودھویں صدی میں انگلستان کو
بہت کچھ ترقی نصیب ہوئی۔ چنانچہ اسی صدی میں ^{۱۳۹۹} اور ^{۱۳۹۹} اور ^{۱۳۹۹} نے ایک شاہی

۱۔ اڈورڈ اول ۱۳۹۹ء میں پیدا ہوا۔ اور اپنے باپ تھری سوم کی وفات پر ۱۳۹۹ء میں سربراہ اس سلطنت
انگلستان ہوا۔ اپنی دلیہ صدی کے زمانہ میں اوسنے عربوں کے مقابلے میں قلعین چڑھائی کی غلطیوں کی معرکہ
آرائیوں سے فراغت پا کر اوس نے دیکر کو فتح کیا۔ اور اپنے بیٹے اڈورڈ دوم کو جو اب کالڈ ایڈورڈ تھا۔ پرنس
آف ویلز کا خطاب دیا جو خطاب کراسوقت سے اب تک انگلستان کے دلیہ صدی کے لئے مخصوص تھا۔ تاہم ۶۹۰ء
کی عمر میں اسنے بمقام کاراکل ۱۳۹۹ء میں وفات پائی۔ ۱۳

فرمانِ مسمیٰ بہ چارٹرڈ کمپنی کے ذریعے سے۔ المین۔ فرانس۔ اسپین۔ پرتگال۔ اٹلی وغیرہ اور نیز اور دوسرے ملکوں کے تاجروں کو کہ جو انگلستان سے رشتہ تجارت پیدا کرنا چاہیں امن دینے اور حفاظت میں لینے کا اعلان دیا۔ اس سے یہ مفید نتیجہ نکلا کہ تاجروں کی آمد و شد کی راہ کھل گئی کہ جو آگے چل کر انگلستان کی صنعت و حرفت کی ترقی کے حق میں بہت مفید اور کارآمد ثابت ہوئی کس لئے کہ اس وقت تک انگلستان کے اصلی باشندے خود تو غیر ملکوں میں بہت کم جہاز رانی کرتے تھے اور ان کے بیان کی پیداوار دوسرے نہی ملک کے لوگ اپنے اپنے جہازوں میں نہر کر بطور اشیا تجارتی باہر لجاتے تھے۔ بعض انگریزی جہاز تو ہمیشہ ایسے تھے کہ جو بالٹک تک کہی جاتے رہتے تھے لیکن ادنیٰ سے ایک بھی ایسا نہ تھا کہ جسے میڈیٹیرینین کے ساحل کی کہی صورت بھی دیکھی ہو۔ جہاز سازی کی حالت بھی اُس زمانے میں درست نہیں تھی۔ چنانچہ معلوم ہے کہ اٹوورڈ اول نے جو چند جہاز فلپ دیویر کو دئے تھے اون میں کے بڑے سے بڑے جہاز میں بھی صرف ۴۰ ہی آدمی سما سکتے تھے۔

گیلیلی بھی اٹوورڈ سوم نے ۱۶۳۸ء میں بمقام نائس بنوائی تھیں۔

۱۷۰۱ء فلپ چارٹرڈ بادشاہ فرانس جو کہ غیر اپنے خوش رو کے لقب کے ساتھ زیادہ مشہور ہوئے برس کی عمر میں ۱۷۰۱ء میں سربراہ اس سلطنت فرانس ہوا اور ۱۷۱۴ء میں اس جہان قانی سے کوچ کر گیا۔

۱۷۰۱ء یہ چوتھے جہازوں کی ایک قسم کا نام ہے۔ ۱۲

۱۷۰۱ء اٹوورڈ سوم اپنے باپ اٹوورڈ دوم کی وفات پر پندرہ برس کی عمر میں تخت انگلستان چمکن ہوا۔ انگلستان اس کی بہادری اور جو انگریزی کا بڑا شہرہ تھا چونکہ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر پندرہ سال کی تھی اس لئے تین برتاؤ

کچھ بھی کیوں نہ ہو مگر یہ بھی اُس زمانے میں خوشحالی کا پلہ برطانیہ ہی کی طرف
 جھکتا رہتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اُس حالت میں بھی اُسکے مال کی برآمد۔ درآمد کمزور
 گو نہ قیمت کے برابر یا کچھ زیادہ ہی ہوتی تھی حالانکہ اس وقت تک وہاں کی برآمد
 میں باشتا و جزوی چمڑے اور واہیات سے کپڑے کے اور جتنی چیزیں تھیں وہ
 سب ادنیٰ اور کم وقعت مثل شیشہ اور ٹین وغیرہ کے ہوتی تھیں جو باہر جاتی
 تھیں۔ کیونکہ اُس صدی کے تمام ہونے تک بھی وہاں کے لوگوں نے ان چیزوں
 سے اپنی ضرورتوں کے مطابق کوئی اختراع یا کسی قسم کی ساخت نہیں سیکھی تھی۔
 اسی صدی یعنی ۱۳۸۱ء میں ایک قانون ”نیو گیشن ایکٹ“ کے نام سے بھی
 نافذ ہوا تھا جسکی غرض یہ تھی کہ تمام بڑے رعایا کو اس امر کی مالیت کی جائے کہ وہ سوا
 ان بڑے جہازوں کے کہ جن میں کثرت کے ساتھ انھیں کی قوم کے آدمی ہوں اور کسی
 دوسرے جہازوں میں اپنا تجارتی مال نہ بہرتے پاویں۔ اس صدی یعنی ۱۳۹۹ء
 میں ایک مفید بات یہ ہوئی کہ اونی کپڑوں کی درآمد یک لخت موقوف کر لی گئی۔

44-38861-100

بقیہ صفحہ ۵۸

سلطنت انکی مان اور اس کے آستانہ شجر کے ہاتھ میں رہا۔ بالآخر سلسلہ اج میں ایہ
نے کل اختیارات و اقتدارات اُن کے ہاتھ سے نکال کر اپنے ہاتھ میں لئے۔ اپنی جان کو دستہ خلیل اور
کر کے لقمہ۔ اور ہاتھ پر کو اپنے چچا اور باپ کا قاتل ٹھہرا کر قتل کر دیا۔ فرج کی کتابہ اپنے ہاتھ میں لیکر اس نے
اس کا لیڈر چڑھائی کی اور بادشاہ دیو کو قید کر لیا اس کے بعد دستہ خلیل کے ہاتھ میں آئے۔
جنگ ہوا جہاں کہہ سکو طرح کامیابی حاصل ہوئی۔

۱۵۔ سال کی حکمرانی کے بعد ۶۵ برس کی عمر میں ۱۳۱۱ھ میں فوت ہوئے۔

پند۔ ہویں صدی اگرچہ انگلستان کی تاریخ میں سب صدیوں سے زیادہ مخموس اور بدبخت صدی ہے۔ لیکن جہاں تمام دنیا اس سے اکثر نئی نئی اور پوشیدہ چیزوں کا علم حاصل کرنے کی وجہ سے اُس کے احسان کی زیر بار ہے۔ وہاں بعض باتوں کے لحاظ سے انگلستان بھی اُس کے احسانات سے عمدہ براہین ہو سکتا ہے۔

اسی صدی میں انگلستان کو اس قسم کے اکثر ذریعے میسر آئے ہیں کہ جنگی برکت سے پیشتر کی بہ نسبت وہ اُس صدی میں اپنے پشمینہ کی صنعت کی طرف ذرا زیادہ توجہ کرنے لگا تھا۔

چنانچہ ۱۷۶۳ء میں جو غیر ممالک سے مختلف قسم کی تجارتی چیزوں کا آنا بند کیا گیا تھا۔ اُس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اس وقت خود انگلستان میں وہ چیزیں بنائی جانے لگی ہوں گی کہ جسکی وجہ سے اُن چیزوں کی درآمد وہاں بیسود سبھی گئی۔ جن چیزوں کی درآمد اس وقت موقوف کی گئی تھی انہیں کی خاص خاص یہ تھیں۔

(۱) ہر قسم کے پشمینے کا سامان۔

(۲) اشیاء کی وہ قسم کہ جسکے خاص اجزاء چرایا لوہا ہوتے تھے۔

(۳) چند قسم کی قیمتی چیزیں۔

اس بیان سے اس بات کا بھی پتہ لگ سکتا ہے کہ اُس زمانہ میں صنعت و حرفت یا تجارت نے عیش و عشرت کے مقابلے میں کہاں تک ترقی کی تھی۔ یہ سب کچھ سہی۔ لیکن وہ منافع اور فائدے کے جو انگلستان کی قسمت میں یورپ کی عام کمالیت سے حاصل

کرنے بدے تھے اُن کا زمانہ ہنوز بہت دور تھا۔ یہاں تک کہ سولہویں صدی میں ہی جا کر وہ اُسکو پوے پوے نہیں چل سکتے تھے۔ تاہم سولہویں صدی میں اُسکی تجارت میں جس قدر نمایاں ترقی ہوئی وہ بہت غنیمت تھی۔ انگلستان کو یہ بات سولہویں صدی میں نصیب ہوئی تھی کہ اُسکے جہاز پشیم اور پچڑے کے چمڑے بہر کر لیوانٹ کے سمندر وں میں گزرنے لگے تھے۔ افریقہ کے مغربی کنارے پرزل ٹرکی اور میڈیٹیرینین کے جزائر سے اور تجارتی لین دین شروع ہو گیا تھا۔

نیدرلینڈس میں بھی اُسکی تجارت کو بڑی وسعت ہو گئی تھی۔ اگرچہ پشیم کی بڑا دیکھی تک برابر جاری تھی لیکن اور پچڑی انگلستان میں ادنیٰ کپڑے کثرت کے ساتھ بنے جانے لگے تھے۔ انٹیورپ کے تباہ اور برباد ہونے پر پشیم کی پیش بہا صنعت بھی انگلستان ہی کے ہاتھ لگ گئی تھی۔

الغرض اس صدی میں انگلستان کی تجارت میں یہاں تک افزائش ہوئی کہ ۱۵۹۷ء میں ملکہ الیزبتھ نے جو چودہ ہزار پونڈ محصول کے لگائے تھے۔ دس برس

۱۵۹۷ء میں پیدا ہوئی چونکہ وہ پانٹسٹ اصول کی پابند تھی اسلئے اُسکو اپنی میری کے ہاتھوں کہ جو بڑی تعصب روم کی تھوٹک تھی عرصہ تک قید میں رہنا پڑا۔ ۱۵۹۷ء میں میری کی وفات پر وہ سربراہی سلطنت ہوئی ۱۵۹۷ء میں جبکہ اسپین کے جنگی جہازوں کا مشہور و معروف بیڑہ انریکینڈر چلا اور ہوا تو اسوقت وہ خود گریٹے پر سوار ہو کر اپنی فوج میں گشت لگاتی اور اپنی سپاہ کے دل میں اپنی پرورش تقریر سے جرات و ہمت پیدا کرتی تھی۔ اور بالآخر اسپین کا بیڑہ تباہ و برباد ہوا اس کے بعد میں انگلستان کو منظم ترقی نصیب ہوئی۔ اور اُسکی بحری قوت یورپ کی اسلئے طاقتوں میں شمار ہونے لگی۔ ۱۵۹۹ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان میں تجارت کرنے کی غرض سے قائم ہوئی۔ ملکہ الیزبتھ نہایت ہوشیار اور مدبر حکمران تھی ۱۶۰۳ء میں وفات پائی۔ ۱۶۰۳ء

کے اندر نہی اندر انہیں اس قدر توفیر ہوئی کہ انکی نوبت پچاس ہزار پونڈ تک پہنچ گئی۔
ایک طرف تو سرکاری اور تجارتی جہاز اپنے وزن اور تعداد بڑھانے میں کوشش کر رہے تھے اور دوسری طرف انکی بندرگاہیں یا لنکر گاہیں اور گودام وغیرہ اپنی اپنی ترقی پر تیل لے رہے تھے۔ اور اسی صدی کے خاتمہ کے قریب انگلستان نے تمام دنیا کے گورگرومنے اور نئے نئے ملکوں کی دریافت کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔

سترہویں صدی کے وہ مہر کے کہ جنہیں انگلستان بد توں تک مصروف رہا ہے انہوں نے گزشتہ دو سو برس کے معرکوں کے مقابلے میں بلحاظ دلیری اور جانبازی انگریزوں کی قوم میں ایک بہت بڑا انقلاب پیدا کر دیا تھا۔

انگلستان میں پہری خیم کا زمانہ اگرچہ اس ملک کی بہادری اور شجاعت کا زمانہ گنا جاتا ہی مگر شجاعت بہادری کو صنعت و حرفت اور تجارت سے جہاں تک لگاؤ ہے اسکو بھی جانتے ہیں۔ محاربات روز زمین انگلستان کے لوگ اس سے بڑھ کر کچھ حصہ نہیں لے سکے کہ جبکہ

لہ ہری خیم کو جاپانی جاے ولادت کے لحاظ سے مان مادرتہ کے لقب کے ساتھ شہر دور ۱۳۸۵ء میں پیدا ہوا۔ یہ نہایت مغرور اور خود میں بادشاہ تھا اسکے متواضعوں سے فرانس پر تباہی اور بادی آئی اور اسکی فتوحات انگلستان کے حقیق ہی جیسے مفید ثابت ہوئیں کیے نہایت مفید ثابت ہوئیں ۱۳۲۵ء میں ۳۴ سال کی عمر میں اسنے انتقال کیا۔

۱۵ میلانی انگلستان کے دو قائدانوں نے یورک اور لنکسٹرین تاج و تخت پر چڑھی تھی ۱۳۵۵ء سے لیکر ۱۳۸۵ء تک ۳۰ برس بڑھ چوکی۔ اس عرصہ میں مشہور مشہور بارہ لائین اوی گئیں جنہیں دونوں فریق کے لاکھوں آدمی تلف ہوئے اور ہزاروں نواب اور شاہزادے مارے گئے۔ چونکہ یورک والوں کی فوج کے سپاہیوں کا متفقہ غلام کا پھول اور لنکسٹر والوں کے سپاہیوں کا متفقہ بیج غلام کا پھول تھا اور غلام کے پھول کو انگریزی میں روزہ کہتے ہیں اسلئے ان پھولوں کی وجہ سے یہ جنگ ”جنگ روزہ“ کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۲۔

مجاہدات میرٹس اور سلاطین رومۃ الکبیرے والوں نے لیا تھا۔ حاصل کلام یہ کہ انگلستان میں ایسی ایسی ہیوج اور نا واجب کوششہ شون سے کبھی کوئی ہی نمایاں ترقی نہیں ہوئی۔ ہاں البتہ سترہویں صدی میں جو چارلس اول کے زمانہ میں انگلستان میں خانہ جنگیاں اور معرکہ آرائیاں ہوئی تھیں ان میں سے اکثر لڑائیاں ملک کی آزادی حاصل کرنے کے لئے لڑی گئی تھیں۔ ان میں خواہ نصرت خواہ ہر سمت جو ہوئی اوس نے وہاں کے لوگوں میں ایک حد تک شائستگی کی روح پھونکنے میں اعجاز کا کام دیا۔

اسکی برکت سے ترقی کی منزلین بڑی تیزی کے ساتھ طے ہوئیں۔ امریکہ میں نوا آبادیاں قائم ہوئیں۔ انگلو امریکن لوگوں کی مرقہ الحالی کی بنیاد پڑی۔ غیر محاکک سے تجارتی عہد نامے مرتب ہوئے۔ اور صنعت و حرفت میں وہ نمایاں ترقیاں ہوئیں کہ حتیٰ نظر اوسکے بہت بعد تک کے زمانے میں بھی نہیں ملتی ہے۔

ملک کی تجارتی حالت نے ہی اس درجہ ترقی پائی کہ وہی محصولات کہ جو ۱۶۱۳ء سے تیس برس قبل پچاس ہزار پونڈ کی مقدار میں وصول ہوئے تھے۔ اب ۱۶۱۳ء میں ایک لاکھ اڑتالیس ہزار پونڈ کی مقدار کو پہونچ گئے۔ اسکے علاوہ ملک کی مالی حالت بھی اُس رتبے کو پہونچ گئی تھی کہ ۱۶۴۱ء اور ۱۶۴۲ء کے درمیان پارلیمنٹ نے بادشاہ سے

۱۷ چارلس اول بادشاہ انگلستان ۱۶۴۰ء میں بمقام اسکاٹلینڈ تولد ہوا۔ اس کے عہد حکومت میں سول داریسے خانہ جنگیاں شروع ہوئیں اور بالآخر بتاریخ ۳۰ جنوری ۱۶۴۹ء میں بمقام وائٹ ہال قتل کیا گیا۔ ۱۲۔

مقابلہ کرنے کو سامان جنگ کے لئے چالیس ملین روپے منظور کئے تھے۔

جمہوری سلطنت کے جیسے بدترین زمانہ میں بھی انگلستان کی تجارت محفوظ رہی اور اسکی صنعت و حرفت کو کسی طرح کا صدمہ نہیں پہنچا۔ چنانچہ اسکا ثبوت اس وقت کے قوانین بحری کے آرام و آسائش ملحوظ رکھنے اور کارامول غاصب سلطنت کی عاقلاً پالیسی برتنے سے کافی طور پر ملتا ہے۔

سر جیمز جانٹ اپنی محقق کتاب ”ڈسکورس آن ٹریڈ“ *A Discourse on Trade* میں لکھتے ہیں کہ باوجود چھپڑی صنعتی شاخوں کے مفقود ہونیکے ۱۶۷۰ء میں تمام چیزوں کی برآمد میں نسبت پہلے کے ایک تہائی کی توفیر ہوئی ایک اور قابل وثوق اور محقق شخص سر ولیم پیٹی *William Petty* نے اس سے چالیس برس بعد کا حال لکھا ہے

۱۷۰۰ء میں چارٹرڈ سٹریٹ میں لندن کا ایک بڑا نامی گرامی تاجگر رہا ہے۔ اسکی تصانیف بہت ہیں۔ اور ان میں سب سے زیادہ مشہور تصنیف ”ڈسکورس آن ٹریڈ“ ہے اور اسکی اکثر تصانیف پولیٹیکل اکانومی کے متعلق ہیں ۱۶۷۳ء میں پیدا ہوا اور ۱۶۹۹ء میں وفات پائی۔ ۱۲

۱۷۰۰ء میں پیدا ہوا۔ بانی خاندان لنسڈون ۱۶۲۳ء میں بمقام رومیزی پیدا ہوا تھا۔ علم طب اور کیمیا اور فلسفہ اور پیرس میں حاصل کیا۔ اور عرصہ تک علم شریعہ اور موسیقی کی پروفیسری کے کام پر مامور رہا۔

۱۶۵۲ء میں آئرلینڈ کی فوج کا طبیب اور کارامول کا سکریٹری بنا گیا۔ اور نائٹ ہونے کے بعد نصاب سے سرفراز ہوا رائل سوسائٹی کے سربراہ اور نہایت قدیم فیوزمین اسکا نام ہی پایا جاتا ہے۔ جبکہ اس نے دوہری تلی کے جہاز کا نمونہ پیش کیا تھا۔ جو کہ ہوا اور امواج کے خلاف مہولیت مل سکتا تھا۔ ۱۶۸۶ء میں جو قوت و قوت ہوا و مہولیت وہ نہایت مالدار آدمی تھا۔ اسکی تصانیف میں سے پولیٹیکل اکنامک نہایت مشہور کتاب ہے۔ ۱۲

اوسمین وہ اسکی نسبت توفیر آمدنی میں زیادہ اوسط پڑنا ظاہر کرتے ہیں۔

ان سب باتوں سے قطع نظر کر کے اس عرصے میں بہت سی چیزوں میں المضاعف اور بہت سی میں چند اور چار چند ترقی ہوئی۔ ڈاکخانہ جات کی آمدنی جو ملک کی صنعت و حرفت اور تجارت کی ترقی کی ایک یقینی اور بہت بڑی علامت ہے اوس میں بھی ایک اور تیس کی نسبت سے اضافہ ہوا۔

جس زمانہ میں خاندان اسٹوارٹ کے لوگ انگلستان سے بدر کئے گئے تھے اوس زمانے کی ترقی کا ذکر ڈیوی ٹانٹ (Devenant) نے اپنی تحریروں میں اِطرح کیا ہے کہ ۱۶۸۸-۱۶۹۰ء کے عرصے میں سرکاری جہازوں کا وزن باسٹھ ہزار ٹن سے ایک لاکھ گیارہ ہزار ٹن اور تجارتی جہازوں کا وزن اس سے بھی المضاعف ہو گیا محصولات سائر کی آمدنی میں تین لاکھ نو ہزار پونڈ سے پانچ لاکھ پچیس ہزار کی توفیر ہوئی انگلستان کی زمینوں کے لگانات، رکانات، اور معدنیات وغیرہ کے محصولات کہ جو ۱۶۹۰ء میں ساٹھ لاکھ پونڈ کی شمار میں تھے وہ ۱۶۹۸ء میں ایک سو چالیس لاکھ پونڈ کی شمار کو پہنچ گئے اور وہ قطعات آراضی کہ جو ۱۶۹۶ء میں بارہ برس اور ۱۶۹۷ء میں اٹارہ برس کے تقادسی پرستے ان کی جملہ آمدنی میں بہتر ملین سے دو سو بارہ ملین افرونی ہوئی۔

جیسے جیسے یہ ترقیاں یکے بعد دیگرے ہوا کین ویسے ہی ویسے لوگ انکو انگلستان کی ترقی کی انتہائی حد خیال کیا کئے یعنی لوگ تو یہی خیال بیٹھے کرتے رہے کہ بس انگلستان

کی ترقی اب اپنی معراج کو پہنچ چکی ہے وہ اُس سے اور زیادہ ترقی کر سکے یہ ممکن نہیں
مگر انگلستان اپنی صنعت و حرفت کے ہاتھوں دن و گنی اور رات چوگنی دولت سیٹھ
میں ہمیشہ پہلے سے زیادہ مستعد ہی نظر آیا کیا۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں جبکہ لوگوں نے دیکھا کہ انگلستان کی صنعتی چیزوں کی
نوآبادیوں میں اس کثرت سے کوہپت ہونے لگی ہے۔ اور وہاں سے جس سوداگری
کی چیزیں انگلستان میں اس قدر آنے لگی ہیں تو انہوں نے بعقیدہ ”ہم کالے رازوال“
اس پر یہ بدگمانی کی کہ یہ ضرور انگلستان کو اس کی ترقی کے عرش سے اتار کر ادا و تنزل
کے غار میں سُلا کر رہے گی۔ انکے گمان کے خلاف یہ ہوا کہ انقلاب سلطنت کا ہنگامہ جو
اسی صدی کا ایک قابل یاد واقعہ ہے اُس نے انگلستان کو بلحاظ اس کی صنعت و حرفت
و نیز تجارت وہ ترقی دی کہ جس کی نظیر اس سے پہلے کی تاریخ میں کہیں نہ ہو ٹڈے بھی
نہیں ملتی اسکے علاوہ اس صدی کی بدولت انگلستان کو یہ کیتیں اور نصیب ہوئیں۔
ڈیوئی نائٹ کے معتبر بیان کے موافق ۱۷۰۰ء جیسے سال میں کہ جو ناسازگاری موسم
کے اعتبار سے انگلستان کے لئے گویا ایک بلائے بے درمان تھا ساڑھے چھ
ملین سے زائد زائد کی برآمد ہوئی۔

۱۷۰۹ء میں محصولات سائر کی جملہ آمدنی تو ڈیڑھ ملین اور انقلاب سلطنت کا ہنگامہ
فرود ہونے کی وقت ڈاکخانہ جات کی آمدنی اکیس ہزار پونڈ تھی۔ پھر بشمول اصلی محصول
کی اُس ایک تہائی کے کہ جس کو پارلیمنٹ نے رعایتہ کم کر دیا تھا ۱۷۱۵ء میں اندونوز

بدون مین نوڈ ہزار پونڈ کا اضافہ ہوا رفتہ رفتہ روپیہ کے سود کی شرح مین کمی ہونا شروع ہوئی اور یہاں تک ہوئی کہ ۱۹۱۷ء مین سود کم ہوتے ہوئے تین فیصدی رہ گیا۔ سود کی اس قدر کم شرح ہونے سے پارلیمنٹ کو بھی یہ آسانی ہوئی کہ وہ مصارف کاروبار منظور کرتے وقت کسی طرح کے پس پیش کرنے سے چھوٹ گئی۔

چنانچہ ایسا ہوا کہ ۱۹۱۷ء مین علاوہ اُس تین ملین روپیہ کے کہ جو قرضہ قومی کے سود مین دیا گیا تھا اور مین ملین کے قریب روپیہ منظور کیا گیا۔

اس کے بعد جو انگلستان مین جنگ جہاں کی گھنگور گھٹا چائی اُس نے بھی اپنے اثر سے انگلستان کی صنعتی خوش اقبالی اور تجارتی مرفہ الحالی کے زوال کا خیال پیدا کر کے لوگوں کو سیقدر ڈرانا چاہا تھا۔ مگر اُس سے انگلستان کی صنعت و حرفت یا تجارت کو کسی طرح کا صدمہ نہیں بچھا۔

چنانچہ اس کی تصدیق اس امر سے ہوتی ہے کہ اُس کے دو برس بعد اوزیر ۱۹۱۷ء مین یعنی انگلو امریکن لوگوں کے خود مختار ہو جانے کی وقت انگلستان کے جملہ محصولات سائر کی شمار ساڑھے پانچ ملین سے اوپر اور بڑھتی اور برآمد مال کا تخمینہ چھ ملین اور ڈاک خانہ جات کی آمدنی کا اندازہ نصف ملین کیا گیا تھا۔

سرکاری اور تجارتی جہازوں کا وزن یورپ اور امریکہ دونوں کے جہازوں کو ملا کر ان کے تین چوتھائی وزن کے مساوی تھا اور یہ کہ خزانے مین بھی نو لاکھ اونیس ہزار دو سو نو پونڈ خرچ ہوئے جبکہ بعد پندرہ ملین اور تیرہ لاکھ تانوے ہزار چار سو اکتر پونڈ جمع تھے۔

اس طور پر اس قیامت کی شاید قوم نے پہرہ ترقی حاصل کی کہ جبے ابدادی نظر
میں سوائے زوال کے اور کوئی حد نظر نہیں آتی تھی گویا چاروں طرف سے پہرہ ہی۔
”ہر کالے راز وال“ کی صدا کا نون میں گونج رہی تھی۔

اونیسویں صدی نے انگلستان کو ترقی کی ایک منزل اور چڑھا کر یہ دکھلادیا کہ اون
پہلے حدود سے آگے بڑھ کر ترقی کی ابھی اور بھی حد ہے۔ اسکے ثبوت میں ہم معزز
ناظرین کے سامنے اس صدی کا ابتدائی زمانہ یعنی ۱۸۲۳ء پیش کرتے ہیں کہ مین
محصولات سار کی آمدنی ساڑھے گیارہ ملین۔ اور مال کی برآمدیوں میں بھی کہ منجملہ
جبکہ تین ایلین انگلستان خاص کی صنعت و حرفت کی اشیاء کی برآمد بھی شریک حساب
تھی۔ ڈاکخانہ جات کی آمدنی ڈیڑھ ملین اور مالگنداری کی مدین ساڑھے ستاون ملین
خرج ہو ہوا کر چھ ملین کی محبت تھی۔

ہمارے زمانہ کے کم ہمت اور پست خیال لوگ جیسا کہ قدیم انگلستان کو بابرکت سمجھتے
ہیں ویسا ہی وہ اکثر ملکہ ایاز بیہ کے زمانے کو بھی مبارک خیال کرتے ہیں۔
حالانکہ اسکے عہد میں ملک کے تمام محصولات کی آمدنی زمانہ حال کے محض ولات کے برابر
حصہ کی برابر ہوتی تھی۔ یا یوں کہئے کہ اس زمانہ کی کل آمدنی اس زمانے کے صرف
ڈاکخانہ جات کی آمدنی کے برابر حصے کے قریب قریب تھی۔

کسی قوم کو آج تک یہ بات نصیب نہیں ہوئی کہ اس کے ۲۰ ملین آدمیوں نے
اپنے دست و بازو کی قوت سے یعنی صنعت و حرفت کے ذریعے سے اس قدر

دولت و ثروت حاصل کی ہو۔

قصہ مختصر یہ کہ انگلستان زمانہ زمانہ صنعت و حرفت میں ترقی کرتے کرتے اس صدی میں اُس تہیہ اور عروج کو پہنچ گیا ہے کہ اگر آج اسکے منزل اور ارباب کی پیشین گوئی کیا کرنے والے پہلی صدی کے لوگ زندہ ہوتے تو وہ اسکو ترقی کے اُن مراح پر پہنچے ہوئے دیکھ کر اول تو بہت متعجب ہوتے اور پھر آئندہ کسی معاملے میں پیشین گوئی کرنے سے توبہ کر لیتے۔

انگلستان کی خوش قسمتی اور اسکی ترقی کا ایک یہی باعث ہے کہ ہندوستان کی طرح وہاں کی عورتیں سناٹا لگا کر یا کوچ اور صوفہ بنیما لکر بھی بریکار نہیں بیٹھتیں۔ وہاں کے مرد اور عورتیں برابر ایک واجب اور جائز محنت کے عادی ہیں۔ خود اسکے دماغ کی سوچی اور ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزیں مال کی برآمد میں پانچ چوتھائی کی نسبت سے ہوتی ہیں۔

ترقی تجارت و صنعت کے متعلق سب سے زیادہ مفید یہ طریقہ ہے کہ ایک چیز کی تجارت اور صنغ کے متعلق جتنے کچھ سامان اور لوازمات درکار ہوں وہ سب تجارتی گروہ کو اپنے ہی اہتمام سے تیار اور جٹیا کرنے چاہئیں۔ یعنی انکو جن چیزوں کی ساخت منظور ہو۔ اول اذ انکا مصالحہ خود ہی پیدا کریں۔ پھر انکو اپنے ہی کارخانوں میں بنا دیں اور تیار ہونے کے بعد انکو اپنے ہی جہازوں میں بکر اپنے ہی ملک اور اپنے ہی قوم کے لوگوں کی سربازہی سے باہر۔ وائے کریں۔

قریب قریب یورپ کی تمام سلطنتیں ہی گرمجوشی کی ساتھ آجکل محنت شعار اور جنسائے بن رہی ہیں۔ مگر ابھی تک اُن میں سے کسی کو بھی اس قیمتی اور مفید طریقے پر اپنا طور سے عمل کرنا نہیں نصیب ہوا۔ کیونکہ اس طریقے کے عمل پر اہونے میں ایک بڑا مشکل یہ ہے کہ وہ مختلف چیزیں کہ جو صنعت میں درکار ہوتی ہیں انہیں سے بعض تو گرم اور بعض سرد ملکوں سے مخصوص ہوتی ہیں اسلئے اُن سب کو بلا لحاظ طبقات ایک ہی ملک میں پیدا کرنے کی کوشش۔ علم طبیعیات کے قاعدے سے لغوا، بیسودھیرتی ہے۔

ہاں اگر اسکا خیال رکھا جائے کہ جس زمین میں جس چیز کے عمدہ پیدا کرنے کی قابلیت ہو اوس میں وہی چیز پیدا کرائی جائے اور اوسکو باہر بھیجا اسکی عوض یا تبادلہ میں لیس دوسری چیزیں کہ جو وہاں نہ پیدا ہو سکتی ہوں وہ لائی جائیں تو بلاشبہ اس تدریج سے بھی بہت بڑا نفع پہنچ سکتا ہے۔ اور صنعت کی غرض اُس حصہ و محنت سے پونہ ہو سکتی ہے کہ جو اون چیزوں کے آنے پر انکی ساخت میں اُن لوگوں کو کرنی پڑیگی اب یہ دیکھنا چاہئے کہ انگلستان میں ریشم پیدا نہیں ہوتا تاہم ریشمیں کپڑے بناتے ہیں۔

حالانکہ وہاں خیل کی کاشت بالکل نہیں ہوتی لیکن پرمی خیل سے ریشم رنگنے کا رخاٹے موجود ہیں۔ اور یہ کہ گو وہ تمام ریشم کہ جو وہاں جا کر کٹتا ہے۔ یا وہ تمام کہ جو وہاں بھیجا کر فلا دین ڈھلتا ہے وہ تمامہ وہیں کا پیدا کیا ہوا نہیں ہوتا۔

مگر تاہم انگلستان کو جو برتری بلحاظ صنعت و حرفت یا تجارت حاصل ہے وہ اسکو یہ چیزیں ایسی کم قیمت میں دلا دیتی ہے کہ جس سے وہ شل وہین کی پیداوار کے پڑھتی ہیں۔ اسی خیال کی بنیاد پر انگلستان نے یہ ایک بڑی عقلندی اور فہم کا کام کیا ہے کہ مشرقی ممالک کی ادویہ وغیرہ پیدا کرنے پر اس نے اپنے ہاں کی زمین اور آب و ہوا کو جو انکے ناموافق اور خلاف ہے مجبور نہیں کیا۔ بلکہ وہ انکو ممالک مشرقیہ سے ہی بطور درآمد کے منگوا کر اپنا کام نکالتا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس وہ کچی دھات یا معدن خام سے ناکارہ اور انکے اوزار بنانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ وہ جہاں سب سے عمدہ نکلتی ہے وہاں سے اسکو بطور درآمد کے منگوا کر اپنی قابل قدر محنت سے اسی کے قیمتی قیمتی اوزار بنا کر باہر بھیجتا ہے اور ان سے خاطر خواہ روپیہ وصول کرتا ہے۔

صرف انگلستان ہی ایک ایسا ملک نہیں ہے کہ جس نے خصوصیت کے ساتھ اس عاقلانہ اور مفید طریقے کی پیروی کی ہو بلکہ دنیا کی وہ تمام ممالک تو ہیں کہ جو تجارت سے کچھ بھی دلچسپی اور صنعت و حرفت سے ذرا بھی دلچسپی رکھتی ہیں وہ سب اسی طریقے کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔

مگر فرق اسی قدر ہے کہ دنیا میں آج تک ایسی کوئی سلطنت قائم نہیں ہوئی کہ جس نے انگلستان کی طرح اپنی جان اور اپنے مال کو بے درد ہو کر نیچر کی پیدائی ہوئی ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کے پیچھے صرف کر دیا ہو۔ اور پایہ کہ دنیا کی غیر ضروری ناقدر اور

نہ چوڑے کے قابل چیزوں کو اُس نے اپنی ذکاوت کے زور۔ اپنے پیش سجا
وقت کی مدد اور اپنی قابلِ قدرت و حرفت کی برکت سے ہر مذہب و ملوک کے بازاروں
کی زیب اور رونق بنا کر انگلیٹنڈ کی سی بیشمار اور لا انتہاد دولت پیدا کی ہو۔

۱۸۲۳ء میں جو انگلستان سے باہر کی پیدا شدہ چیزوں کی برآمد ہوئی تھی اونہیں
سے دس ملین تو ایسی تھیں کہ جنہیں ٹریس جفاکشی اور ملاحی کی اعلیٰ درجہ کی لیاقت
اور سرگرمی صرف کی گئی تھی اور باقی چالیس ملین وہ تھیں کہ جنہیں معمول سے چوگنا
نہیں بلکہ کمین زیادہ وقت۔ ذکاوت۔ اور صنعت و حرفت کے ہنر سے کام لیا گیا
تھا۔ اس سے پہلے جو لوگ کہ انگلستان کو صرف ممالک غیر کی پیداوار کی بازی داری
اور اسکی نوآبادیوں کی کثرت کی وجہ سے با وقعت سمجھتے تھے۔

اب اسکی یہ کرامات دیکھ کر وہ لوگ اسکی صنعت و حرفت کی ترقی کے اعتبار سے بھی
اسکی عظمت کے دل سے قایل ہو گئے۔

کوئی ایسی خاص وجہ ہے کہ جو ہلکوکافی طور پر تحقیق کی ساتھ تہذیب و عیش و
عشرت میں فرق بتلا سکے اور تمیز کر سکے ؟

یہ کام تو ہلکوک وقت کی قدر و قیمت کا معلوم ہوتا ہے اور وقت کی قدر و قیمت اُس
چیز سے اندازہ کیا جاسکتی ہے کہ جو چیز اسکی وجہ سے پیدا ہوتی ہے ایک اعلیٰ
درجہ کی فہم اور فراست ایک ناچیز ”لمحہ“ کو بھی ایسا قابلِ قدر اور قیمتی بنا دیتی ہے
کہ جو جو بہترین اور فائدے حضرت انسان کو اُس سے پہونچنے لگتے ہیں وہ اون

سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں کہ جو سستی و کاہلی کے ہاتھوں کہیں برسوں اور صدیوں میں جا کر بھی شکل سے پہونچ سکتے ہیں۔

عیش و عشرت میں پڑ کر خود پرست بننا ہمارے وقت کو ذرا بھی قیمتی اور قابل قدر نہیں بنا سکتا۔ ہاں البتہ قوائے ذہنی کو مناسب طریقے سے کام میں لانا بلاشبہ وقت کو اکیسیر بنا دیتا ہے۔

قوائے ذہنی میں جو مادہ اختراعی ہے وہی تہذیب کا گو یا سب سے بڑا ذریعہ ہے وقت میں جو اشیا کے پیدا اور مہیا کرنے کی طاقت ہے اس کا اندازہ اون چیزوں کی مقدار اور ماہیت سے اور نیز اس سے کہ وہ کہاں تک انسانی ضرورتوں میں کارآمد ہو سکتی ہیں اچھی طرح کیا جاسکتا ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ مذہب و شایر تہ اور مبارک قوم ہم اوسے کو کہنا پسند کرتے ہیں کہ جو اپنی محنت و صنعت و حرفت کی بدولت دنیا کو ایک بہت ہی قلیل مدت میں عمدہ سے عمدہ اور قیمتی سے قیمتی چیزیں ہم بھینچا سکتی ہو۔

جس تیزی سے کہ انگریز صنعت کی عمدہ عمدہ چیزیں بناتے ہیں۔ ویسے ہی وہ ازلانی کے ساتھ کہتی بھی ہیں۔

یہ ہرگز نہ خیال کرنا چاہئے کہ وہ ازلانی غیر عمدہ و بد ہوتی ہے یا انکہ قیمت کی کمی و جدا و وسط کی صنعت کی مکافات ہے۔

”تہذیب“ خراب اور ذلیل چیزوں سے بھی عبث یا بیفائدہ چیزیں نہیں

بناتی ہے۔ یہ کام تو ہوتا ہے ”عیش و عشرت“ اور یا اوس کی مصائب کا ہی
 کا جو ذرا اپنے آپ کو بڑا جفاکش دکھلانا چاہا کرتی ہیں ”تہذیب“ ہمیشہ عذرہ اور
 ستہری چیزوں کے ارزان کرنے کی طرف مائل اور متوجہ رہتی ہے۔
 انگلستان کے جزیرے کو اس بات کا فخر اور سچا فخر ہے کہ اوس کے ہاں پٹیمہ
 کا بیچنی آدمی یورپ کے اور دوسرے خوش حال ملکوں سے المضاعف۔
 اور تمام بزرگ یورپ میں مشمول اوس کے سرحدیوں کے جس قدر اوسط پڑتا ہے
 اوس سے بھی اور چار گونہ زائد ہے۔ !!!

خبر

کاش مغلس اور فاقہ زدہ ہندوستان بھی انگلستان سے اوسکی صنعت و حرفت
 کی برکتوں کا سبق حاصل کر کے اپنے آپ کو خوشحال اور مالامال بنانے کی کوشش
 کرتا ! اگر وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اوسکی فلاح و سبھود کا مقصد صرف ہائی ایجوکیشن
 یعنی اعلیٰ تعلیم سے پورا ہو جائیگا تو یہ قیامت تک ممکن نہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں تعلیم کا یہ اولٹا اثر پڑ رہا ہے کہ قدیمی پیشیوں والے
 لوگ بھی اپنے اپنے پیشوں کو چھوڑ کر تعلیم یافتہ ہونیکے گمنامین نوکریان ڈھونڈ رہے
 ہیں۔ اگر بلازیت کا میدان استعداد تک ہے کہ ملک کے تمام تعلیم یافتہ لوگ کسی
 طرہ اوس میں مل جاسکے۔ یہ لوگ تعلیم یا اپنے آبائی اور جدید پیشوں کو ست نفرت

